رجسٹرڈ ایل ۱۵۹۳

اگست سنہ ۱۹۲۱

بسرپرستی
شیخ عبدالقادر بی۔ اے

مخزن

ادب اردو کی دلچسپیوں کا ماہواری مجموعہ

مرتبہ
ابو البیان بسمل
شاہجہانپوری

مولوی ظہور الدین مالک و مہتمم نے دفتر مخزن بھاٹی گیٹ
لاہور
سے شائع کیا

M.L.C.

جلد ۴۱

نمبر ۲

(سالانہ چندہ قسم اول للعہ) (قیمت فی پرچہ ۶ر) (سالانہ چندہ قسم دوم)

مخزن ایجنسی کے علمی جواہرات

خیالستان ۔ از سید سجاد حیدر بی ۔ اے (علیگ) ۔ طوفانِ حیات علامہ راشد الخیری کی بہترین تازہ تصنیف

مثنویات میر حسن مثنوی بے نظیر بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار روم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دی گئی ہے

رسوم دہلی دہلی کے دنیائے نسوان کی رسوم کا مرقع مؤلف فرہنگ آصفیہ کی زبان ۔ البیرونی

مقدمات الطبیعات ۔ سیرۃ الکبریٰ ۔ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے صحیح و بابرکت حالات

سیرۃ الحسینؑ ۔ سید الشہداء امام حسینؑ کے درد انگیز و سبق آموز واقعات شہادت .. .. ..

سیرۃ صدیقہؓ ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بابرکت حالات .. ..

مشاہیر یونان و روما ۔ یونان و روما قدیمی سلاطین کے دلچسپ مفصل حالات .. ..

خطوط منشی امیر احمد ۔ امیر الشعراء امیر مینائی لکھنوی کے حالات اور ادبیانہ خطوط کا مجموعہ .. ..

زود پشیمان ۔ ایک قابل قدر گریجوایٹ کا ادبی پیرایہ میں لکھا ہوا مفید ڈرامہ .. .. ..

قواعد اردو ۔ اردو زبان کی بہترین گرامر طلبا کے لئے بہت مفید ہے .. ..

الزہراؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے بابرکت حالات ۔ بنت الوقت آجکل کی لڑائیوں کا مجموعہ نہایت سبق آموز

سات روحوں کے اعمالنامے ۔ زندگی کے تمام مدارج دکھلائے ہیں ۔ نہایت دلچسپ کتاب ہے ..

جواہر قدامت ۔ راشد الخیری کی تازہ تصنیف قدامت کے جوہر دکھلائے ہیں .. .. ..

سیر تبت ۔ انگریزی کتاب فیوراریس کا بامحاورہ ترجمہ ملک تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ ..

الانسان ۔ علم الانسان میں بے نظیر کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا دہلوی .. .. ..

النحل ۔ شہد کی مکھیوں کے تاریخی حالات اور پرورش کے متعلق دلچسپ کتاب مصنفہ سید راحت حسین بی ۔ اے ۔ ایل ایل بی

درد بیانستان ۔ مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی کی ٹکسالی زبان .. ..

تزک قیصری ۔ مصنفہ پنڈت برج موہن کیفی دتا تریہ دہلوی .. ..

رموز بیخودی (فارسی) حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال ایم ۔ اے کی بیمثل تصنیف .. .. ..

دیوان غالب ۔ تبہ خان بہادر شیخ عبد القادر بی ۔ اے ۔ پاکٹ ایڈیشن نہایت خوشخط صحیح قیمت فی جلد با تصویر ..

بدیہہ گوئی حضرت ہوش بلگرامی ایڈیٹر ذخیرہ کی گرانقدر تصنیف جس میں شرح و بسط سے تمام عربی فارسی اور اردو شعرا کے وہ اشعار معہ واقعات درج کئے ہیں ۔ جو انہوں نے فوراً بغیر تامل کہے ہیں ۔ دلچسپ کتاب ہے .. ..

طبقات الارض ۔ خاتونِ جنت ۔ حضرت بی بی فاطمہ زہراؓ کی بابرکت سوانحعمری ۔ آفتاب دمشق علامہ راشد الخیری

عروس کربلا ۔ واقعات کربلا میدانِ کربلا کے دلگداز مرقعے ۔ کنول اصرار ۔ اجمل و شبینہ

محاربات صلیبی ۔ اعجاز قرآن ۔ از راج دلاوری ۔ مرا ری دادا ۔ اسرار خودی فارسی ۔ نوحہ زندگی

ملنے کا پتہ :- **مخزن بک ایجنسی لاہور**

فہرست مضامین "مخزن" بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۲۱ء

۱	فہرست	ایڈیٹر	۱
۲	شذرات	"	۲
۳	سبد گل	"	۴
۴	فرض محبت	راز دار	۶
۵	آہ تو کہاں ہے؟	امیر حسن ناز از سیال کوٹ	۱۶
۶	گلابی ساڑھی	سید امتیاز علی تاج	۱۸
۷	پھول	تاج	۲۴
۸	تو سبھے مجھے پھر یاد آگئی	گہر جائسی	۲۵
۹	معاشقہ عرب	محمد حسین شاکر پیلی بھیتی	۲۶
۱۰	ناز و نیاز	رزمی بھوپالی	۳۴
۱۱	بدحواسی	......فتحپوری	۳۵
۱۲	التجائے ناکام	راز	۳۹
۱۳	ولی عہد فرانس کی موت	چودھری ظفر اللہ صاحب بی۔اے	۴۰
۱۴	صہبائے گرامی	مولانا گرامی	۴۲
۱۵	خالدہ خانم ادیبہ ترکی	ابو رشید عبد المجید خان سالک بٹالوی	۴۳
۱۶	اجڑا دیار	مشتاق احمد زاہدی دہلوی سابق پروفیسر تاریخ بہاولپور کالج	۵۴
۱۷	عید غربت	از سید اخلاق حسین صاحب اخلاق دہلوی	۵۷
۱۸	جذبات لطیف	نتیجۂ افکار خاتون محترم ز۔ خ۔ بش صاحبہ آف علی گڑھ	۵۸
۱۹	اکلوتے بیٹے کی موت	ابو نعیم عبد الحکیم خانصاحب نشتر جالندہری	۵۹
۲۰	لمعات مہر	خورشید علی صاحب مہر بھوپالی	۶۱
۲۱	کرشمہ حسن	از جناب عرشی لدھیانوی	۶۱
۲۲	تخیلات گہر	گہر جائسی	۶۲
۲۳	جذبات ربط	سید امانت حسین صاحب ربط شاہجہان پوری	۶۳
۲۴	افکار مہدی	سید محمد مہدی صاحب مچھلی شہری	۶۴
۲۵	غزل	منشی غلام احمد فروغ فتحپوری۔ اکبر آبادی	۶۴

شذرات

"مخزن" کا دورِ حاضر اربابِ نظر کی کس قدر افزا ۔ حوصلہ پرور نگاہوں سے دیکھا گیا ہے ۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ آئے دن ملک کے ممتاز اور مایہ ناز انشا پردازوں کے خطوط تحسین ہمیں بکثرت موصول ہو رہے ہیں ۔ ہندوستان کے معتبر و مستند اربابِ قلم کی ہمت آفرینیاں ہمیں روز فخر و مباہات کا موقع دے رہی ہیں ۔ مربیانِ ادب کی بزرگانہ دلجوئیاں سرپرستی کا یقین دلاتے ہوئے ہمارے شوقِ سعی میں لطفِ حاصل کی لذت پیدا کرا دینے میں نہایت فیاضی سے کام لے رہی ہیں ۔

ہم ان تمام خطوط کی نقل تو ہدیہ ناظرین کرنے سے بخوفِ طوالت معذور ہیں لیکن بعض کو بجنسہٖ پیش کر دینا ہمارے حسنِ عمل کی جزا سعید ہے ۔ چنانچہ اس دفعہ حضرت ناظم الملک مولانا سید معشوق حسین صاحب اطہرؔ ہاپوڑی کا نامہ گرامی نذرِ اربابِ نظر ہے ۔

"مولانا سچ تو یہ ہے کہ آپ کے اعجاز قلم نے "مخزن" کے مردہ جسم میں از سرِ نو روح پھونک دی ہے آپ کی ادبی آبیاریوں سے پژمردہ گلوں کی تازگی میں بھی ایک خصوصیت امتیازی ہو گئی ۔ یہ آپ ہی کے مذاقِ ادب کی مسیحا نفسی ہے کہ یک خاک نشینِ عدم ۔ بکرہ عالمِ وجود میں جلوہ فروش نظر آ رہا ہے ۔

تدوین و ترتیب میں بھی اس بالغ نظری سے کام لیا گیا ہے جس کی توقع آپ کی اور صرف آپکی ممتاز علمی حیثیت سے ہو سکتی تھی ۔ خدا شاہد ہے آپ نے مخزن کو من اولہ الی آخرہ ایسا ہر صفت کیا ہے کہ بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے" ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

دعا ہے اللہ تعالیٰ "مخزن" کو آپ کی ادب نوازیوں سے توفیقِ بہرہ وری دے اور آپ کو اس کی ادارت سے کامل نام آوری مرحمت فرمائے ۔ مجھے کاہلی اور کہولت نے اسیرِ دامِ آرام طلبی و خوگرِ خاموشی کر دیا ہے ۔ تاہم میں اس کی خدمت کو اپنی ضروریاتِ زندگی کا جز جاننا فرضِ حیات سمجھتا ہوں ۔ والسلام

اطہرؔ ہاپوڑی

معاصرِ محترم "معارف" نے صحیفہ "مخزن" کا تعارف عصری کراتے ہوئے ، اگرچہ خلافِ امید تنگدلی سے کام لیا ۔ مگر ہمیں افسوس نہیں ۔ ہم خوش ہیں کہ "معارف" کی اس خصوصیت تطادل سے صرف "مخزن" ہی کی توقعات مجروح نہیں ہیں بلکہ عام حامیانِ ادبِ لطیف خواہ اربابِ علم و قلم ہوں یا صحائفِ انشا و ادب اس موضوعِ خاص میں بالاتفاق شکوہ سنج استغنا و گلہ مندِ کم نگہی ہیں ۔ ؎

اک میں ہی کیا جہان کو شکوہ ہے اے اجل — تیغِ جفا سے تیرے کوئی مطمئن نہیں

ہم ذیل میں اپنے معاصر کی زریں رائے شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہوئے مستدعی ہیں کہ "مخزن" اس خلوص ارتباط اور خصوصیت اتحاد کو (جو قدیم سے صاحبِ "مخزن" اور صاحبِ "معارف" کے مابین وجہ مابہ الامتیاز ہے) سفارشی بنا کر محبت و الفت سے ممناک مدح و ثنا کا متمنی نہیں ۔ بلکہ اس رائے کا خواہشمند ہے جو درحقیقت حق نقد سے معمور اور لب کشائے صدق و حق ہونے کے ساتھ صحیح معنوں میں تنقید ہو ۔

"مخزن" اردو کے قدیم ترین رسالوں میں ہے ۔ اپنے ابتدائے زمانہ اشاعت سے لے کر آج تک اس نے مختلف قالب بدلے ہیں اور ہر قالب میں اس کی خاص خصوصیت یعنی ادبی روح جھلکتی رہی ہے ۔ موجودہ تغیر و تبدل میں اس کی عنانِ ادارت مولوی ابوالبیان بیگ شاہجہانپوری کے ہاتھ میں آئی ہے

یہ وہی بیدل ہیں جن کے لئے مولانا شبلی مرحوم کا یہ مصرع ہے۔ ع چہ توان کرد کہ فرمودۂ بیدل باشد[۱]
مخزن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ آیندہ سے نامتر فرمودۂ بیدل ہوگا ٭

ہمیں افسوس ہے کہ "مخزن" اس دفعہ اصطلاحات علمی کے مفید سلسلہ کی قسط پیش خدمت کرنے سے قاصر ہے اگرچہ یہ قصور خدمت محض ہماری مساعی کی کوتاہی کا نتیجہ نہیں۔ بہ زیادہ تر محترمی مولانا سید ممتاز علی صاحب قبلہ کا تبدیل قیام ہے جو آج کل موسمی تحریکات کی بنا پر منصوری رونق افروز ہیں ٭

کتب مندرجہ ذیل بغرض ریویو دفتر میں موصول ہوئی ہیں۔ خیال تو یہی تھا کہ ہم اسی نمبر میں اپنی ناچیز رائے دے کر فرض ادارت سے سبکدوشی حاصل کریں اور احباب کی زحمت انتظار کے باعث نہ ہوں۔ مگر چونکہ اس دفعہ بوجوہ معذور رہیں۔ اس لئے آیندہ اس خدمت کی انجام دہی کو ضروری سمجھا جائے گا۔ امید ہے کہ مرسل ہدایا حضرات معاف فرمائیں گے ٭

آئینۂ حرم۔ ثالث بالخیر۔ سرور انبیاء۔ شیخ حسن۔ وضع اصطلاحات پریم بتیسی۔ خونناب عشق۔ ملغار روحانی۔ جذبات احمر۔

تصحیح

عام اس سے کہ اعتراف فروگذاشت اور تصحیح اغلاط معاشرت انسانی کے آداب واصول میں کسی درجہ تک معیوب نہیں۔ مگر چونکہ یہ عمل اپنی لغزشوں اور کمزوریوں کے اظہار کا مترادف ہے۔ اس لئے فطرت انسانی کی جبلی خود پسندیاں جھجکتی ضرور ہیں۔ لیکن بسا اوقات ضرورتیں مجبور بھی کر دیتی ہیں۔

ماہ مئی کے مخزن میں جو نظم "کیف وطن و خمار غربت" کے عنوان سے چھپی تھی اس میں چند اشعار لسان العجم حضرت قاآنی کے ہیں۔

قارئین "مخزن" اس التباس ہوئی اور مغالطہ اتفاقی کو میری محدود وسعت نظری کا سوء عمل خیال فرمائیں کہ شریک سبد گل کر کے احباب سے تعارف نہ کرا سکا۔ ورنہ درحقیقت حضرت نگہت شاہجہانپوری کا تو ایک محب و مخلص دوست کی جدائی اور آغوش وطن کی خوشی کے ملے جلے جذبات سے متاثر ہو کر تضمیناً ان سے فائدہ اٹھانا اور تیمناً استبراک مقصود تھا۔ اس لئے وہ قطعاً اپنے اس شعری داد کے مستحق ہیں جسے قاآنی کی ہم نشینی نے قابل فخر جمال دے دیا ہے ۔

زاں ہمی زارم خمار غربتم بنمود زار
زاں ہمی بالم کہ در کیف وطن بالا شباب

جولائی نمبر میں جو نظم "گنگا اشنان" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ وہ فی الحقیقت "مخزن سبھا" کے خوشگو شاعر ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کے جذبات لطیف کا شیرازہ ہے۔ میری عدم موجودگی میں غلطی سے "سعید دہلوی" لکھا گیا ہے۔ قارئین "مخزن" درست فرمالیں اور ڈاکٹر صاحب اسے انسانی خطا پر محمول کر کے معاف فرمائیں ٭

---

[۱] یہ مصرع علامہ شبلی نعمانی کی اس رباعی کا ہے جو "دستۂ گل" یعنی علامہ مرحوم کے مرقع تغزل کا عنوان اشاعت ہے

ہر چند ہمہ باغش و پیش کسان | عرضہ دادن نہ پسندیدۂ عاقل باشد
من ہم ایں کار نمی خواستم از دل اما | چہ توان کرد چو فرمودۂ بیدل باشد

سبدِ گُل

فرضِ محبت جناب "رازدار" کا یہ افسانہ نہ صرف اپنی مختص دلفریبیوں کے لحاظ سے اچھوتا ہے۔ بلکہ اکثر مقامات پر مصنف کی جذبات نویسی میں اصلی فطرت انسانیہ کی جھلک رونما ہوجانے سے واقعہ نویسی کی بھی کامیاب مثال ہے۔ لیکن "علیم" مصور ہونے سے زیادہ فلسفی ظاہر ہوتا ہے۔ گو صاحب مضمون کے نزدیک صرف اس کا ذوقِ مصوری نقش امتیاز ہے +

تو نے مجھے پھر یاد آ گئی حضرت "گہر جالسی" کی شوخ نگاریاں بزمِ انشا میں روپوش گمنامی نہیں۔ اربابِ ادب کی ذوق آشنا نگاہیں آپ سے متعارف ہیں۔ آپ نثر و نظم دونوں شعبہائے لطیف پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اس نمبر کے آخری صفحات پر "تخیلاتِ گہر" کے عنوان سے جو غزل ہدیہ ناظرین ہے۔ وہ حضرت گہرؔ ہی کے سلکِ جذبات اور نظمِ جواہر کی کشتی زر ہے۔ ہم آپ کی اس مرحمت کے شکر گذار ہیں کہ باوجود ابتلائے انکار اور بغایت مصروفیت کے ہماری استدعا کو مجروحِ ناکامی نہیں فرمایا۔ امید ہے آیندہ بھی یہ سلسلۂ عنایت یونہی جاری رہے گا +

معاشقۂ عرب دورِ حاضر کی بادہ پیمائیوں سے خمخانۂ مشرق کی سرجوشیاں اور خوش مستیاں نہ صرف وقفِ خمارِ خمیازہ ہو گئیں۔ بلکہ ہماری تنگ ظرفیاں اس کے نشۂ نور آفرین کے عدم کو بھی موجبِ استبداد کر چکیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عرب کے ذرہ گاہِ حسن میں بھی وہ ہوشربا ذخائرِ برق و شرر مدفون ہیں جن کی خزاں رسیدہ تجلیاں خوارقِ مغرب کی گلبار بہاروں سے خرمنِ سوز و فتنہ فریب ہونے میں کم نہیں۔ یہ مضمون اسی بحرِ زخار کی سطحی غواصی ہے جو ارتباطِ حسن و عشق کی جلوہ افروزیوں کے ساتھ اتحادِ وصل و وصال کا بہترین ظہور ہے

ہم جناب "شاکر" کے صرف اس لئے ممنون ہیں کہ انھوں نے ادبِ مشرق سے اس افسانہ کو اخذ کیا اور ہمارے سازِ زندگی کے زنگ آلودہ تاروں کو زخمہ ہوئے چھیڑ کر ایک مرتعش وارفتگی پیدا کر دی۔ کاش دلدادگانِ ادبِ اردو کا ذوقِ تلاش گلستانِ مغرب کی گلچینی کرتے ہوئے ریگستانِ عرب کے گرد آلود ذروں کی ٹٹول کو بھی اپنا حسنِ عمل قرار دے لیں، مگر موجودہ بے تعلقی کو دیکھتے ہوئے یہ امید کم ہے +

بدحواسی نثرِ لطیف کی اصنافِ عالیہ میں "ہیومر" (تفنن) بھی عجیب دلکش اندازِ تحریر ہے۔ ادبستانِ مغرب میں تو یہ بہت مقبول ہے۔ ملک کی حوصلہ افزائیاں اس کی روز افزوں قدر و منزلت میں کافی حصہ لے رہی ہیں لیکن ہندوستان میں بھی اردو کا کوئی عہدِ تمدنی اس کی خدمت پرورش سے کبھی بے نیازی نہیں رہا ہر دورِ ادب کا ذوقِ سلیم کچھ نہ کچھ اس کی دستگیری ضرور کرتا رہا۔

چنانچہ ایک زمانے میں مرحوم "اودھ پنچ" نے اس کے نخلِ زندگی کی آبیاری کی۔ اب اللہ رکھے "نقیب" کی مساعیٔ جمیلہ اسے پروان چڑھانے میں سرگرم کامیابی ہیں اور آیندہ بھی اس کا مستقبل آسمانِ ترقی پر معراجِ ارتقائی حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ادیبِ گوشہ نشین "میر محفوظ علی صاحب بی۔ اے (علیگ)" اور "سید سلطان حیدر صاحب جوشؔ" جیسے قادر اہلِ قلم کی معجز نگاریاں اس کی بقائے حیات کا بیڑا اٹھائیں۔

Taj Tahir Foundation

ہم "حضرت ؟ ؟" کی اعانت قلمی کے شکر گذار ہونے کے ساتھ شکوہ سنج بھی ہیں کہ انھوں نے باوجود متعدد وعدوں کے ابھی تک "مخزن" کو کسی ایسے احسان سے ممنون نہیں بنایا جو ان کی قدرت ادب کے اعجاز و خوارق میں سے ہو اور "مخزن" کی افسردگی میں جدت اور زندگی کی روح پھونک دے +

ولی عہد فرانس کی موت

گو بظاہر تو یہ کسی انگریزی کتاب سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے مگر "اسکیچ" یعنی گذشتنی واقعات کی نقاشی کا اجمالی خاکہ ہے۔ اس طرز بیان کی یورپ میں بہت قدر ہے لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ انداز تحریر بھی لطف بیان میں اور اپنی ہم نوع قدرتوں سے کم نہیں ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ادب اردو کے اہل حضرات ادھر بھی اپنی توجہ کو مبذول کریں۔ ہم "مخزن" کے قدیمی معاون چودھری ظفر اللہ صاحب بی۔ اے بیرسٹر کے بے حد ممنون احسان ہیں کہ انھوں نے یہ چھوٹا سا نمونہ ادب پیش کرکے ملک کی توجہ سے اپیل کی ہے +

صہبائے گرامی

یوں تو فخر زمانہ نظیری ہند "حضرت گرامی" مدظلہ کا ہر نتیجہ فکر دور حاضر کیلئے مایہ ناز ہے۔ مگر اس غزل کی خصوصیات سے وہی اشخاص لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ جنھوں نے اسکی ہم قافیہ اور غزلیں بھی دیکھی ہیں۔ ہم چونکہ اس سے پہلے نمبر میں نظیری اور خانخاناں کی مقابلی غزلیں ایک مضمون کے تحت میں نذر ناظرین کرچکے ہیں۔ اس وجہ سے مجبور رہیں۔ ورنہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ تینوں گلدستوں کو ایک ہی سبد میں سجا کر ہدیہ احباب کرتے +

خالدہ خانم ادیبۂ ترکی

سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی اور نوجوانان ترکی کے اقتدار کا قیام دوام جن فرزندان اسلام کی جانفروشانہ کوششوں کا ممنون احسان ہے۔ ان میں جہاں اور محبان وطن ہیں وہیں ترکی کی مایہ ناز خاتون خالدہ خانم کا نام بھی اس وقت دنیائے اسلام میں زبان زد عام ہے۔

خالدہ خانم کی زندگی کے مفصل واقعات اس وقت تک ہندوستان کے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ مگر جناب سالک صاحب نے چند مختلف مضامین سے جو انگریزی رسالوں میں شایع ہوئے خاتون محترم کے مختصر حالات اخذ کرکے اور قارئین "مخزن" کی خدمت میں پیش کرکے بے حد شکریہ کا موقع دیا ہے نیز وعدہ کیا ہے کہ اگر اس عظیم الشان خاتون کی ادبی زندگی کے کارنامے اور کسی ذریعے سے معلوم ہو سکے تو وقتاً فوقتاً نذر "مخزن" کرتے رہیں گے۔ بہرحال اس مضمون کو کسی حالت میں جامع و مانع تصور نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ محض اس غرض سے لکھا گیا ہے کہ اردو خواں حضرات کے سامنے اس ترکی ادیبۂ جلیلہ کی زندگی کا صرف ایک دھندلا سا خاکہ پیش کردیا جائے +

جذباتِ لطیف

محترمہ خاتون ز۔خ۔ش بیگم ہندوستان کی قابل اعتراف خاتونان اسلام سے ہیں۔ آپ کے کلام میں تبحر علمی، نازک خیالی کی جھلک کے رونما ہونے کے ساتھ جذبات لطیف کا بھی سرمایہ مضمر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ نظم تو آپ کی قابلیت کی بہترین نظیر نہیں لیکن اس سے پہلے "کہکشاں" اور "زمیندار" میں آپ کی بہت سی نظمیں قدرت شعر کی اعلی مثالیں مل سکتی ہیں +

اکلوتی بیٹے کی موت

حضرت ابو نعیم عبدالحکیم خانصاحب نشتر جالندہری پنجاب کے خوشگو شعرا میں سے ہیں۔ آپ کا کلام۔ بندش الفاظ اور نزاکت خیال کے ساتھ جذبات فطرت اور سوز و گداز کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ پھر زبان نہایت شستہ اور سلیس۔ ہم آپ کی عنایات کے سپاس گذار ہیں کہ "مخزن" کو بسلسلۂ عواطف ممنون احسان کرتے رہتے ہیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخزن

جلد ۲۱ اگست سنہ ۱۹۲۱ء نمبر ۴

فرضِ محبّت

علیم آج تنہا اپنے تصویر خانہ میں بُت بنا ہوا بیٹھا ہے ہندوستان کی برسات کا شورش انگیز موسم ہے اور شام کا وقت ـ کھڑکی سے ہلکی ہلکی ہوا آ رہی ہے اور علیم کے بالوں سے کھیلتی ہوئی نکل جاتی ہے علیم کے قریب ہی وہ تصویر رکھی ہے جس کو دو ہفتے کی مسلسل محنت کے بعد اس نے اسی وقت تکمیل کو پہنچایا ہے ـ یہ تصویر ایک چوکھٹے میں لگ رہی ہے اور سامنے ایک اونچی تپائی پر (جو تصاویر رکھنے کیلئے خاص طور سے بنائی جاتی ہیں) رکھی ہے ـ تصویر کے پاس ایک چھوٹی سی میز پر چند برش اور رنگ رکھنے کے کچھ برتن بھی رکھے ہیں ـ کمرہ نہایت سادگی کے ساتھ تصویروں سے سجا ہے اور دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مصوّر کا تصویر خانہ ہے +

اس تصویر کو ختم کرنے کے بعد علیم نے جب اس وقت اس پر آخری نگاہ ڈالی تو اس کا سلسلۂ خیال اسے اپنی زندگی کے ایک ماسبق حصہ کی طرف لے گیا اور علیم ایک دریائے تخیل میں غوطہ لگانے لگا +

تصویر اچھی خاصی بڑی ہے ـ اس میں ایک سلسلہ کوہ بنا ہوا ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک نہایت دلچسپ مقام ہے جو صاف طور سے نمایاں نہیں ہے اور عمداً دھندلا سا بنایا گیا ہے ـ نیچے کے حصّہ

میں جو پہاڑ کی گھاٹی کہی جا سکتی ہے۔ ایک نہایت پرلطف اور شاداب باغ بنا ہوا ہے جس میں بہت سے خوبصورت درخت نہایت خوبصورتی سے آراستہ ہیں اور گو اس باغ میں بہت صاف اور پورے طور سے ہر چیز علیحدہ علیحدہ نہیں دکھائی دیتی تاہم مجملاً اس کا اثر نہایت دلکش اور دلفریب ہے +

وسط باغ میں ایک آدمی کی شکل ہے جو نہایت حریص نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص پر اس باغ کا جادو پورے طور سے کام کر گیا ہے اور اب اس کا دل اس باغ کو چھوڑ دینے پر کسی طرح رضامند نہیں ہے۔ مصوّر کی قابلیت کا اندازہ اسی شخص کا چہرہ دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جذبات انسانی کو چہرے سے تصویر میں ظاہر کر دینا اس فن کا ایک نہایت دشوار اور اہم کام ہے +

اس شخص کے بعد ایک اور شخص کی تصویر ہے جو اس چمن کو طے کر کے پہاڑ پر کچھ چڑھ گیا ہے۔ مگر اس کا رخ ابھی باغ ہی کی سمت ہے اور وہ تھوڑا سا اوپر جا کر پھر پلٹ کر اسی باغ کو دیکھ رہا ہے۔ اس شخص کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں ہیں۔ پہاڑ کے دشوار گذار راستہ کی تکلیف اور سامنے والے باغ کی دلکش تصویر دونوں اس کے ارادے کو ڈانواں ڈول کر رہے ہیں +

لیکن اس تصویر میں ایک تیسرا شخص بھی ہے جو اپنی منزل کی راہ کا ایک بہت بڑا حصہ طے کر چکا ہے اور اپنی جگہ سے ان دھندلی چوٹیوں کے منظر کو دیکھ سکتا ہے جس کے دیکھنے سے ابھی اور دونوں عاجز ہیں۔ اس کا چہرہ اسی چوٹی کی جانب جھکا ہے اور وہ نہایت انہماک کے ساتھ اپنے سفر کے تمام کرنے کی کوشش میں منہمک ہے +

آیندہ خوشی کی امید میں موجودہ آرام سے منہ پھیر لینا واقعاً نہایت دشوار امر ہے کیا یہ انسانی خلقت کا مقتضا نہیں ہے کہ وہ موجودہ نفع کے خیال سے آیندہ کی غیر معلوم خوشی کو بھول جائے۔ یونانی فلسفیوں کا وہ گروہ جو زندگی کے فرائض میں صرف ان کاموں کو نیک سمجھتا تھا۔ جن سے حظ نفس حاصل ہو۔ وہ ایک ایسے اصول پر تھے جو طبیعت انسانی کے بالکل مناسب تھا۔ لیکن اگر ایسی زندگی صحیح زندگی کا نمونہ سمجھ لی جائے اور ذاتی راحت کو اچھائی یا برائی کا معیار مقرر کر لیا جائے تو دنیا کے تمدن میں خلل پڑ جائے اور وہ تمام باتیں جو آج گناہ عظیم سمجھی جاتی ہیں۔ جائز قرار دے دی جائیں اپنے نفع کی غرض سے اور حظ نفس کے واسطے اخلاقی جرائم کے ارتکاب کا فلسفہ ایک زمانہ تک رائج رہا ہے اور گو اس قدر

حد سے گذری ہوئی شکل میں نہیں۔ مگر پھر بھی اس کے پیرو کثیر تھے اور مدت مدید تک رہے۔ اس میں تغیر ہوتا رہا اور آخر کار انگلستان کے مشہور فلسفیوں نے اس میں ایک بہت بڑا تغیر یہ پیدا کیا کہ انھوں نے سوسائٹی کی راحت کو ذاتی راحت سے مقدم سمجھا اور ان افعال کو قابل تحسین سمجھنے لگے جو صرف ذاتی خوشی کو نہ بڑھائیں بلکہ سوسائٹی کے لئے باعث راحت اور نفع مند ثابت ہوں۔ اس پر بھی بہت کچھ اعتراضات ہوئے مثلاً بعض لوگوں نے کہا کہ اگر ہر شخص بطور خود اپنی راحت کا سامان کرلے اور اپنے نفع کی باتیں خود ہی انجام دے لے تو چونکہ سوسائٹی انھیں افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لئے لازمی طور سے سوسائٹی کو بھی فائدہ پہنچے گا ✦

تو پھر آخر اس دنیا میں، انسان کس طرح زندگی بسر کرے کہ اس کی زندگی کامیاب کہلائے۔ اچھا اگر ہم ان لوگوں کی زندگی کو اپنا معیار زندگی بنائیں جو تمام لذات دنیوی کو ترک کر دیتے ہیں اور ہر وہ کام جو حظ نفس کے واسطے کیا جائے حرام خیال کرتے ہیں تو کیا ہماری زندگی کامیاب اور نیک زندگی کہی جا سکتی ہے؟ میں تو اس زندگی کو ایسی کامیاب زندگی نہیں سمجھتا جو دنیا کا نصب العین بن سکے۔ اس کی خرابیاں بہت نمایاں ہیں۔ کیونکہ اگر ہر شخص اس قدر خشک زندگی اختیار کرلے اور تمام لذات کو اپنے اوپر حرام سمجھ لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر ایسی زندگی کی وقعت نگاہ سے جاتی رہے گی اور لذات جب مر جائینگی تو ان کے اوپر حاوی ہونے کی وہ خوشی باقی نہ رہے گی جو اب ہوتی ہے ✦

Taj Tahir Foundation

علیم کے خیالات یہاں تک تو فلسفہ کے راہ پر چلے مگر اس کے بعد اس کو اپنی زندگی کے ذاتی تجربات یاد آنے لگے۔ انسانی فطرت کا اقتضا ہے کہ جب پرانی باتیں یاد آتی ہیں تو دل میں کچھ رنج اور خوشی کا ایک مخلوط جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی حالت علیم کی بھی ہوئی۔ پہلے تو اس کے چہرے پر کچھ مسکراہٹ سی آئی اس کے بعد وہ اٹھ کر اس کھڑکی کے پاس چلا گیا جو باغ کے حسن و شگفتگی کو نظارہ افروز کرتی تھی۔ باغ کے دوسری طرف ایک کمرہ تھا جس میں علیم کے پڑھنے لکھنے کا سامان تھا۔ اس کی نگاہ اس کمرہ پر پڑی اور چونکہ متذکرہ بالا خیالات مجتمع تھے۔ اس لئے ایک خاص واقعہ کی یاد نے اس کے دل کو بے چین کر دیا اور علیم ایک خیال میں مستغرق ایک صورت آنکھوں کے سامنے لئے ہوئے بیتابی سے پلٹا اور اپنے تصویر خانے سے نکل کر باغ کی جانب روانہ ہوا ✦

علیم باغ میں ہوتا ہوا۔ اس کمرے کی جانب چلا تو راستے میں دفعتاً اس کی نگاہ گلاب کی ایک سفید کلی پر پڑی۔ وہ رک گیا اور اس نے اس کلی کو توڑ لیا۔ اس کو سونگھا۔ مگر اس میں خوشبو نہ تھی اس کے فکرمند

ابروؤں پر شکن پڑ گئی۔ مگر وہ چند ہی قدم گیا ہوگا، وہ شکن رفع ہو گئی اور اس نے اس پھول کو لبوں کے قریب لا کر چوم لیا۔ چومنے کی آواز دیکایک جو کان میں آئی تو چونک پڑا۔ اور اپنی اس بے تکی حرکت پر خود ہی نادم ہو گیا!

علیم کلی لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اور جیب سے کنجی نکال کر بکس کے پاس گیا۔ اور اسے کھول کر اس میں سے چند خطوط نکالے چونکہ کمرے میں اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ ایک ہاتھ میں انہیں لئے ہوئے اور ایک ہاتھ سے ایک چھوٹی کرسی اٹھا کر باہر چبوترے پر لے گیا اور باغ کی سمت رُخ کرکے بیٹھ گیا ٭

گو بظاہر ان خطوط کے لفافے بہت خوشنما نہ تھے مگر پھر بھی ان میں ایک ایسی سادگی تھی جو صدہا آرائشوں سے زیادہ خوشنما تھی علیم چونکہ اپنے خطوط ایک کاغذ تراش چاقو سے کھولنے کا عادی تھا۔ اس لئے اس کے خطوط کی ہیئت کھل جانے کے بعد بھی کچھ بدنما نہیں ہوئی ٭

پہلا خط

۲۴ مارچ ۱۹ء

از ....

میرے پیارے علیم ....

گو میں یہ خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا کیا لکھوں اور کیوں کر لکھوں۔ آپ سے اگر میری کبھی پہلے کی ملاقات ہوتی تو شاید اس بات کی شکایت ہی لکھتی کہ آپ مجھے بھول گئے اور خط نہ بھیجا مگر ایسی حالت میں کہ جب آپ نے مجھے دیکھا تک نہیں تو میں کیسے اس بات کا گلہ کر سکتی ہوں کہ آپ میری حالت سے بالکل غافل ہیں اور میری تمناؤں کا خون کر رہے ہیں“

علیم نے اتنا پڑھا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر ایک مردہ تبسم نمودار ہوا۔ اتنے میں نوکر کمرے میں لیمپ جلانے کو گیا۔ مگر علیم کو اس کی خبر نہ ہوئی روشنی کرکے نوکر باہر آیا اور دریافت کرنے لگا کہ ”اگر ضرورت ہو تو روشنی باہر رکھ دی جائے“ اس کا جواب علیم نے سر کی جنبش سے دیا اور نوکر نے ایک چھوٹی میز پر روشنی لا کر رکھ دی۔ علیم پھر پڑھنے لگا ٭

”اس وقت بدقت مجھے یہ چند گھڑیاں خط لکھنے کو ملی ہیں۔ اس لئے میں اس قلیل وقت کا بڑا حصہ معافی مانگنے میں صرف کرنا نہیں چاہتی۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ میں دل سے مجبور ہو کر لکھ رہی ہوں۔ اور معلوم ایسے ایسے کتنے خط لکھ کر جلا چکی ہوں۔ دیکھوں اس کا حشر کیا ہوتا ہے ٭

Taj Tahir Foundation

پیارے علیم آج غالباً ایک مہینہ سے بھی کچھ دن زیادہ ہو گئے میں نے اس درد کو سینہ میں چھپائے رکھا۔ مگر تابکے۔ دل کانپتا تھا۔ اسی کے ساتھ تمھارا بھی خیال تھا۔ اپنے سے زیادہ اپنے اعزّہ کی عزت کا پاس تھا۔ مگر آہ! کیا کروں۔ اے دل تو گواہ رہنا کہ میں مجبور تھی۔ اور اے شوق! تو اپنے جرم کا اقرار کر لینا تاکہ میں ملزم نہ قرار دی جاؤں تمھیں میں نے کہاں دیکھا اور کب دیکھا اور کس حالت میں دیکھا۔ یہ قصہ ایسا نہیں کہ زبان قلم دہرا سکے ؎

نہ کرتی کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم　　کہ ہوگا باعث افزایش درد دروں وہ بھی

جب تک اس خط کا جواب نہ آئے گا۔ اضطراب سانس لینا دشوار کر دے گا۔ تم مجھ سے کیسے ملو یہ حال رقعہ ہذا تمھیں بتا دے گا۔　　(نیم بسمل زاہدہ)

علیم نے یہ خط پڑھا۔ گو اس کو آئے ہوئے تقریباً پانچ برس گزر گئے تھے۔ مگر اس کے دل میں آج بھی وہی جذبات موجزن ہونے لگے جو پانچ برس قبل پیدا ہوئے تھے جس وقت علیم کو یہ خط یکایک ایک اجنبی لڑکے نے لا کر مع ایک خوبصورت پان کی ڈبیہ کے دیا تھا۔ اس وقت علیم کا سن ۱۹ برس کا تھا۔ مگر چونکہ اس نے ایک پاکیزہ زندگی بسر کی تھی اور فرقہ اناث کی نسبت اس کا علم صرف ناولوں کا ممنون احسان تھا۔ اس لئے وہ دل ہی دل میں شرما گیا اور خط کو پڑھ کر اس نے پان کی ڈبیہ کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ ایک دفعہ اس کے جی میں آیا کہ یہ سب کچھ واپس کر دے مگر چونکہ اس کے سادہ دل پر خط کا بہت اثر ہوا تھا اس لئے وہ چپ ہو رہا اور نہایت ہی بیقراری کے ساتھ اپنے اس نئے تجربے پر غور کرنے لگا لیکن جب تھوڑے عرصہ کے بعد اس لڑکے نے جواب مانگا تو اس کی گھبراہٹ کی کچھ انتہا ہی نہ رہی اور اس نے ایک وحشت کے عالم میں لڑکے سے کہا کہ اگلے دن جواب لے جانا۔

یہ سب باتیں علیم کو اس قدر صاف طور سے یاد تھیں کہ جیسے کل کا قصہ ہو اور اسی وجہ سے اس کو ان خطوط کے پڑھنے میں نہایت لطف آ رہا تھا۔

علیم کا خیال اس وقت ان خطوط کی جانب یوں پہنچا کہ جب اس نے زندگی کا ایک معیار قرار دے دیا تو اس نے اپنی زندگی پر ایک نگاہ ڈالی کہ آخر اس نے کہاں تک اس معیار کی پابندی کی ہے اور کہاں تک اپنی زندگی کے اہم فرائض کو انجام دیا ہے۔ ان تصورات کے ساتھ اس کا خیال قدرتاً اپنی زندگی کے اس حصہ تک جا پہنچا۔ جب وہ نفسانی خواہشات کی پیروی سے بالکل آزاد تھا۔

"ایک زمانہ تھا کہ مجھے محبت کے نام سے الجھن ہوتی تھی اور چونکہ اکثر کتابوں میں میں نے عورت کی محبت ۔ اور اخلاقی جرائم کو ساتھ ساتھ دیکھا تھا ۔ اس لئے محبت کو میں گناہ سمجھتا تھا ۔ زاہدہ کا خط جب مجھے پہلے پہل ملا ہے تو میں سخت حیران تھا کہ کیا کروں ۔ دل چونکہ ایک نئے تجربہ کا خواہشمند تھا اور اس طرح خط کا آنا بالکل ایک انوکھی بات تھی اس لئے میں نے اس خط کا جواب دیا مگر نہایت مجمل الفاظ میں .... ہاں میرے اس خط کے جواب میں یہ خط آیا تھا"

علیم نے خطوں کے پلندے میں سے ایک دوسرا خط نکالا اور اسے پڑھنے لگا ۔

از آ ....

میرے پیارے

تمہارا خط ایک زہر میں بجھا ہوا نشتر تھا ۔ اے کاش تمہیں اس درد کا کچھ بھی احساس ہوتا جو تمہارے یاس افزا خط نے میرے دل میں پیدا کر دیا ۔ اگر تم مجھے صرف تخاطب میں تقدیم کا ملزم سمجھتے ہو تو سر تسلیم خم ہے مگر پہلے میری داستان سن لو تب تمہیں اختیار ہے جو چاہے سمجھنا اور جیسی رائے جی چاہے قائم کرنا ۔

پیارے علیم! آج میرے والدین کہیں باہر گئے ہیں اور میری یہ رات بالکل تنہائی میں بسر ہوگی اس وجہ سے مجھے موقعہ ہے کہ میں تم کو اپنی آپ بیتی لکھوں ممکن ہے کہ تمہارے نام یہ میرا آخری خط ہو ۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے اپنے خیال میں اس قدر ذلیل نہ سمجھو جتنا اس وقت سمجھ رہے ہو ۔ دیکھوں مجھے اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوتی ہے +

سنو ۔ مگر ذرا غور سے میں جب سات برس کی تھی جس کو اب تقریباً نو برس ہوئے تو میرے والدین نے مجھے چند احباب کے اصرار سے ایک عیسائیوں کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کو داخل کیا ۔ اور وہاں میں نے انگریزی پڑھنا شروع کی اور کامل دو برس تک پڑھتی رہی ۔ اردو وغیرہ مکان پر پڑھ چکی تھی مگر اس زمانہ میں چونکہ اس اسکول میں بجائے تعلیم کے مذہبی وعظ اور نصیحتیں زیادہ ہوتی تھیں ۔ اس لئے اس اثنا میں میں نے کچھ زیادہ ترقی نہ کی ۔ آخر کار وہاں سے اٹھا کر میرے والدین نے مجھے شہر کے باہر ایک اسکول میں تعلیم کے لئے بھیج دیا ۔ گو یہ عیسائیوں کا اسکول نہ تھا ۔ مگر یہاں بھی اکثر استانیاں عیسائی ہی تھیں اس اسکول میں چار برس تک رہی ۔ اس اثنا میں مجھ پر ایک عیسائی استانی خاص طور سے مہربان ہو گئی ۔ اور اس کا یہ دستور تھا کہ راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر مجھ سے باتیں کیا کرتی کبھی کبھی مذہبی چرچے بھی ہوتے جن سے میرے کان

Taj Tahir Foundation

ناآشنا نہ تھے) ہوا کرتے تھے لیکن اکثر اوقات عیسائیوں کی طرز زندگی کا ذکر ہوا کرتا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مجھ سے بارہا کہا کرتی تھی کہ ہم لوگوں میں لڑکیوں کا شریف لڑکوں سے ملنا برا نہیں سمجھا جاتا۔ اور لڑکیاں چونکہ پردہ نہیں کرتیں اس لئے انھیں اختیار ہوتا ہے کہ جس سے چاہیں ملیں ٭

ایسی حالت میں ایک ہندوستانی لڑکی جو مکان کی چاردیواری میں مقفل رہتی ہے۔ وہ کیا کرے میں جانتی ہوں کہ اکثر ایسی ملاقاتیں ذلیل ارادوں سے کی جاتی ہیں۔ مگر پیارے علیم کیا محبت کے چہرے پر ایک نما داغ نہیں کہ مرد اور عورت کی ملاقات کا نتیجہ ہی جرم سمجھ لیا جائے ٭

پیارے علیم تم نے اپنے خط میں مجھ سے ملنے کی کئی دشواریاں لکھی ہیں جن سے تمھاری طبیعت کی نیکی اور پارسائی ظاہر ہے۔ اگر تم خط وکتابت جاری رکھنے اور ملنے سے بالکل انکار کر دیتے یا فوراً ملاقات پر آمادہ ہو جاتے تو میں تمھاری اتنی قدر نہ کرتی جس قدر اب کر رہی ہوں اور نہ تمھاری خوبیوں کی اس قدر معترف ہوئی جتنی اب ہوں۔ اس حالت میں مجھے یقین ہو جاتا کہ تمھیں اپنے اوپر اعتماد نہیں اور تم اپنے جذبات پر حاوی نہیں ہو۔ گو یہ میں بھی جانتی ہوں اور تم بھی واقف ہو کہ وہ وجوہات جو تم نے مجھ سے نہ مل سکنے کی لکھی ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں۔ مگر پیارے علیم اگر تم مجھ سے صرف انھیں کی بنا پر نہ بھی ملو تو میں تمھاری شکایت مند نہیں ہو سکتی ٭

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی مصیبت کا گلہ — اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

میرے دل کے جذبات تھوڑے عرصے کے لئے میرے قابو میں نہ تھے اور میں مجبور تھی میں نے پہلا خط تمھیں ایک بیخودی کی حالت میں لکھا تھا۔ اچھا کیا تم نے اس کا جواب ایک ہفتہ بعد بھیجا۔ کیونکہ اس عرصہ میں مجھے بہت کچھ ہوش آگیا اور امید و یاس کے جھونکوں نے مجھے اس خواب پریشاں سے بیدار کر دیا تھا۔ جس وقت سے ہوش آیا تھا نادم تھی اور اپنی اس حرکت پر پیچ و تاب کھاتی تھی تم خود انصاف سے دیکھو۔ اگر ایک شریف لڑکی سبقت کر کے کسی غیر شخص کو اس طرح کا خط لکھے اور اس کا جواب ایک حقارت آمیز سکوت سے دیا جائے تو اس کے دل پر کیا گذرے گی؟ لیکن خیر شکر ہے کہ میری قسمت میں اتنا ذلیل ہونا نہیں لکھا تھا اور جتنی ذلت میں نے عمداً اختیار کی اس سے زیادہ ذلیل نہ ہوئی ٭

اب میں یہ خط ختم کرتی ہوں۔ دو بجنے میں کچھ منٹ باقی ہیں لکھنے کو تو اگر میں صبح تک لکھا کرتی تب بھی مجھ پر کچھ گراں نہ گزرتا۔ مگر اب زیادہ کیا لکھوں اور کہاں تک درد دل کہوں۔ پیارے علیم! اب رخصت

Taj Tahir Foundation

ہوتی ہوں۔ دیکھوں قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اور اس محبت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ تم سے صرف اس قدر استدعا ہے کہ آیندہ جب کبھی میرا خیال آئے تو مجھے بہت زیادہ حقیر اور ذلیل مت سمجھنا۔ میری محبت کا صرف خدا شاہد ہے اور میرا نفس مجھ پر اس قدر لکھنے یا کسی ایسے غیر مرد سے ملاقات کی خواہش کرنے پر نفرین نہیں کرتا جس کے افعال اور جس کی خصلتوں اور خوبیوں پر میں فریفتہ ہوں۔ محبت اگر محض محبت ہی کے لئے ہو تو قابل شرم نہیں ہوسکتی بلکہ انسان کی فطرت کو ارفع و اعلیٰ بنا دیتی ہے اور ہزارہا ایسے گناہوں سے بچاتی ہے جو دنیا کی نگاہ میں جرم محبت سے کہیں زیادہ بدتر اور قابل سزا سمجھے جاتے ہیں +

(گرفتار محبت زاہدہ)

علیم جتنی دیر تک یہ خط پڑھتا رہا اس نے ایک دفعہ بھی گردن نہیں اٹھائی۔ جب ختم ہو گیا۔ تو نگاہ بلند کی۔ دیکھا بالکل اندھیرا ہو گیا ہے۔ لیمپ جل رہا ہے اور باغ میں بالکل سناٹا ہے۔ چاندنی رات تھی۔ باغ کا منظر نہایت دلفریب تھا علیم ہاتھ میں ایک تیسرا خط بھی لئے ہوئے تھا۔ مگر اس نے اس کو نہیں پڑھا۔ بلکہ اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کے لئے اٹھا اور باغ میں ٹہلنے لگا +

علیم ہمیشہ سے غور و فکر کا عادی تھا اور بچپن ہی سے اس کو ہر چیز پر گھنٹوں غور کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ اور وہ کوئی کام بھی بلا سوچے سمجھے کبھی نہ کرتا تھا جس وقت اسے زاہدہ کا یہ دوسرا خط ملا تھا۔ تو اس نے اس سے ملنے کا مصمم قصد کر لیا۔ اور ایک مہینہ کی کوشش کے بعد ان دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ علیم جو غائبانہ زاہدہ کا مداح ہو چکا تھا اس کی باتیں سن کر اور اس کے مزاج اور طبیعت کی کیفیت دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس کے اپنے گھر میں بھی عورتیں تھیں اسے قریب کے عزیزوں کی لڑکیوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان میں اکثر کچھ شد بد پڑھی ہوئی بھی تھیں اور بعضوں نے تو ایک حد تک انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ مگر علیم جب زاہدہ سے ملا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں وہ سمجھا کہ صرف تعلیم انسان کو اس قدر شستہ اور مہذب نہیں بنا سکتی جتنا تربیت کا دخل ہے۔ زاہدہ فطرتاً بے انتہا ذہین تھی اور چونکہ مقابلتاً ایک روشن خیال گھرانے میں پلی تھی۔ اس لئے اس کی حالت ان لڑکیوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اچھی تھی۔ اس کے ماسوا زاہدہ بورڈنگ ہوس میں بھی رہ چکی تھی اور اس سبب سے اس کے خیالات ان لڑکیوں کے مقابلہ میں جنھوں نے گھر کے باہر قدم نہیں رکھا تھا وسیع تھے +

علیم کو جب زاہدہ کا پہلا خط ملا تو اس نے اس کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہ کی اور سچ یہ ہے

کو پردے میں رہنے والی لڑکیوں کے لئے اتنی بیباکی قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے اور ہندوستان کی سوسائٹی میں ابھی اس قسم کی آزادی کچھ اچھے نتائج بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ مگر جب علیم ملا اور وہ زاہدہ کے خیالات سے پورے طور پر آگاہ ہوا تو اس کی قابلیت اور ذہانت پر عش عش کرنے لگا اور اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنے شروع شروع کے اس خیال کو بالکل بھول گیا کہ یہ ملاقات کوئی گناہ ہے۔

علیم کو حیرت تھی کہ کیا واقعی یہ ایک ہندوستانی عورت ہے جس نے اپنے چہرے پر سے کبھی پردہ نہیں اٹھایا۔ گھر اور بورڈنگ کے سوا کہیں نہیں گئی! وہ ابھی تک سمجھتا تھا کہ بالعموم ہندوستانی عورتیں پردے میں رہ کر سوا اچھے یا برے خانہ داری کے کاموں کے اور کسی قابل نہیں ہو سکتیں اور نہ ان کے خیالات اس قدر وسیع ہو سکتے ہیں جتنے عموماً اور ملکوں کی عورتوں کے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ تعلیم ان عورتوں کو کسی قدر بہتر بنا سکتی ہے۔ مگر اتنا نہیں کہ انہیں اور ممالک کی عورتوں کے مقابل کھڑا کر سکے مگر جب وہ زاہدہ سے ملا اور اس سے واقف ہوا تو اسے اس حقیقت کے انکشاف سے بہت خوشی ہوئی کہ اس کے پہلے خیالات غلط تھے۔

آج پانچ برس بعد جب علیم پھر ایک دفعہ اسی عالم محبت میں پہنچا تو اسے آرزوؤں کے درد کے ساتھ اس بات کا احساس ہوا کہ اس کے دل میں زاہدہ کی الفت اس وقت تک ویسی ہی موجود ہے جیسی پہلے تھی۔ اور آج بھی وہ زاہدہ سے ملنے کا اسی قدر متمنی ہے جتنا کہ پہلے ہوا کرتا تھا۔

"انسان کے خیالات میں کیا کیا انقلابات ہوا کرتے ہیں۔ میں پہلے سمجھا کرتا تھا کہ عورت کی محبت اور اخلاقی جرائم ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ مگر چند مہینے کے تجربے سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اگر انسان میں اخلاقی قوت ہو اور وہ پہلے سے اپنے جذبات کا مطیع نہ ہو تو محبت سے ایک بلند درجہ پر پہنچ سکتا ہے "محبت محبت کے لئے ہے" مجھے ایک بے معنی فقرہ معلوم ہوا کرتا تھا لیکن اب میں ان کے معنی و لطف سے خبردار ہو گیا ہوں محبت آدمی کو انسان بنا سکتی ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف کسی قانون کے مطابق شادی ہو جانے سے کسی غیر عورت کے ساتھ حقیقی و مقدس محبت ہو سکتی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ صرف چند الفاظ پڑھ دینا کسی طرح کافی نہیں ہے۔ اس وقت تک دو غیر مرد اور عورت میں محبت نہیں ہو سکتی جب تک وہ دونوں اپنے اپنے جذبات پر حادی نہ ہوں۔ اور اگر حادی ہوں تو ایسی محبت چاہے غیر شادی شدہ مرد و عورت میں کیوں نہ ہو وہ بھی "حقیقی و مقدس محبت" کہے جانے کی مستحق ہے۔

Taj Tahir Foundation

میں زاہدہ کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہی وہ عورت ہے جس نے مجھے اس محبت کا پہلا سبق دیا۔ فی الاصل اس کا مجھ سے ملنا میرے لئے امرت ثابت ہوا۔ اس سے ملنے کے بعد زندگی کے بہت سے اہم فرائض جو مجھے پہلے ناگوار معلوم ہوتے تھے اور جنھیں میں ایک تکلیف بیجا سمجھا کرتا تھا سہل معلوم ہونے لگے اور بہت سے فرائض جنھیں میں پہلے فرض سمجھتا ہی نہ تھا اچھی طرح جان گیا۔ اور اب تو میری یہ رائے ہے کہ عورت کو اگر اپنے اوپر اس قدر اعتماد ہو جتنا زاہدہ کو تھا تو وہ جس سے چاہے ملے اور جس سے چاہے ملاقات کرے۔ اس کو کبھی کسی سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ گو زاہدہ کو مجھ سے جدا ہوئے اندازاً پانچ برس کے قریب ہوئے ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس اثنا میں اس کی شادی بھی ہو گئی ہو۔ مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ اس کے دل میں بھی آج میری اسی قدر محبت ہو گی جتنی میرے دل میں اس کی محبت ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ آخر اس کی خاموشی کا سبب کیا ہے ....

جب زاہدہ جا رہی تھی تو اس نے مجھے جاتے وقت ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے اپنے قیام کی جگہ سے مطلع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اس نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ باوجود کوشش کے مجھے اس کا کسی طرح پتہ نہ چل سکا ٭

علیم عرصہ تک ٹہلا کیا اور اسی قسم کے خیالات میں غرق رہا۔ اس کے بعد اس نے باغ سے ایک سرخ گلاب کا پھول توڑا۔ اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ باہر رکھے ہوئے لمپ کی ہلکی ہلکی روشنی کمرے میں جا رہی تھی۔ وہاں اسے وہ سفید پھول دکھائی دیا جو اس نے اپنے خیال کی دھن میں توڑ لیا تھا اور جسے پیار کر کے وہ شرمندہ ہو گیا تھا ٭

”زاہدہ کا دل اس گلاب کے پھول سے کہیں زیادہ صاف اور پاکیزہ تھا۔ مگر چونکہ لوگ اس پھول کو عفت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور سرخ گلاب کو عشق کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ اس لئے میں اس واقعہ کی یاد ان دونوں پھولوں سے قائم رکھوں گا۔ اور ان سے اپنی بیقرار دل کو تسکین دیا کروں گا“

علیم نے پھر ان دونوں پھولوں کو پیار کیا اور خطوں کے ہمراہ بکس میں بند کر دیا۔ گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ آٹھ بج چکے ہیں۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ ایک دوست سے آٹھ بجے ملنے کا وعدہ تھا۔ اس لئے فوراً لباس پہنکر غمگین دل اور سست قدموں کے ساتھ مقام موعودہ کی طرف روانہ ہو گیا ٭

”راز دار“

Taj Tahir Foundation

آہ تو کہاں ہے؟

چشمہ کے کنارے پر جہاں آبِ رواں کی متبسم موجیں آفتاب کی شعاعوں سے کھیلتی ہوتی ہیں اور جہاں سبزۂ خودرو کی تازگی بخش جنبش تمناؤں میں شورش پیدا کر دیتی ہے میں خلوت سے تنگ آجاتا ہوں اور آبِ مصفیٰ کے روشن آئینہ میں اپنے جذباتِ باطنی کے لرزاں عکس کو لہروں کی بے قراریوں سے ہم آغوش ہوتے دیکھ کر پکار اُٹھتا ہوں ؛

آہ ۔ تو کہاں ہے؟

بہار کی رنگ آفرینیاں ترے قدموں کی مستانہ جنبشوں کو بوسہ دینے کے لئے پھولوں کی رنگینیوں کی آغوش سے مچل مچل کر باہر نکل پڑتی ہیں اور بادِ صبا کے راحت پرور جھونکے غنچوں کی مسکراہٹ سے ہم کنار ہونے کے لئے بے تابانہ پریشانیوں میں گرفتار پھولوں کے نازک اور لطیف پردوں میں محوِ جستجو ہیں ۔

زمین کی پتھریلی بلندیوں کی سفید نورانی چوٹیوں پر جہاں قدرت خاموشی کی وسعتوں میں انگڑائیاں لے رہی ہوتی ہے اور آفتاب نور کی تیز کرنیں برف کی پھسلا دینے والی سطح پر روشنی کی بارش کر رہی ہوتی ہیں ۔ جہاں تنہائی اپنی بے شمار دلفریبیوں سمیت دنیا کے شور و شغب پر خندہ زن ہوتی ہے اور جہاں برودت کی کارفرمائیاں حرارت کی عملداریوں سے مصروف پیکار ہوتی ہیں میں باطنی جذبات کی شور انگیز بے تابیوں سے مجبور ہو جاتا ہوں اور بے اختیار چیخ اُٹھتا ہوں ؛

آہ ۔ تو کہاں ہے؟

شیریں پانی کی تیز اور مدھم بہتی ہوئی ندیوں کی روانی میٹھے راگ گاتی ہوئی تری تلاش میں محوِ تگ و دو ہے کہ تمہارے گورے گورے پاؤں کی نزاکتوں کو چھوڑے چمکدار سنگریزوں کی بے حسی مدتوں سے انتظار کش ہے کہ تری حنائی انگلیوں سے برکت حاصل کرے ؛

چاندنی رات کے دلربا سکوت میں جب چرخِ نیلوفری کی دائمی گردشیں ستاروں کی لرزاں حرکتوں سے

Taj Tabir Foundation

مصروفِ گفتگو ہوتی ہیں اور کہکشاں کی پریشانیاں نہ جانے کیوں ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوتی ہیں۔ جبکہ دنیا خاموشی کی سنسانیوں میں محوِ خواب ہوتی ہے۔ اور خلوت کی اطمینان بخش لذتیں زمین کو اپنی دولتوں سے مالا مال کر دیتی ہیں تو خواہشوں کے پے در پے تقاضوں کے ہجوم سے گھبرا کر کہہ اٹھتا ہوں +

آہ۔ تو کہاں ہے؟

مہتاب اپنی روشن چادر سے سبزے کو منور کئے ہوئے ہے کہ تیرے جاں بخش تبسم سے شیرینی حاصل کرے۔ اور تنہائی کی رازداریاں تمہارے حسنِ بے پردہ کے جلووں سے کامیاب ہونے کے لئے بے تابی کی کروٹیں لے رہی ہیں۔ مگر تو نہ جانے کہاں ہے۔ بے تاب دل کی شور و غل کی پہنچ سے باہر حسنِ روح پرور کن نورانی پردوں میں روپوش ہے۔ استغنا کی خواب شیریں کے پُر سکون نظارے تیرے آرام کے محافظ ہیں اور بے اعتنائی کی خاموشیاں پہرہ دار +

صحرا کی وحشت افزا تنہائی میں جہاں پاؤں کے آبلے میری مجنونانہ کیفیتوں پر حسرت اور افسوس کا رونا روتے ہیں۔ اور گریبان کی الجھنیں جوشِ جنوں کی دست درازیوں سے تنگ آ کر بے بسی کے عالم میں منتشر ہو جاتی ہیں جب قوتِ گویائی کی مجبوریاں بند ہونٹوں کی قید میں گرفتار ہوتی ہیں، تو آرزوؤں کے ہجوم سے پریشان ہو کر گنگنا اٹھتا ہوں +

آہ۔ تو کہاں ہے؟

میری تمنائیں بے تاب ہیں اور آرزوئیں بے چین۔ میرا اشتیاق ڈھونڈتا ہے کہ تیری محبت بار نگاہوں سے تسکین پائے۔ اور میرے شوقِ آرزو کی فراوانیاں منتظر ہیں کہ ترے حسنِ بے نقاب کے نورانی منظر پر فدا ہو جائیں +

امیر حسن ناز از سیالکوٹ

حسن۔ انسانی تمناؤں کا مخرج ہے +

احساسِ درد۔ عشق کی پہلی منزل ہے +

اشتیاق کا ورود وقت کا غلط اندازہ کرتا ہو +

محبت میں وہ معشوقانہ بے نیازی ہے کہ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی +

اہلِ محبت گوشۂ تاریک میں بھی مہرِ حسن کا لطف اٹھاتے ہیں +

(پریم چند)

گلابی ساڑھی

(۱)

جمشید کو خلافِ معمول ملول و متفکر دیکھ کر شیریں کے بیتاب جذبۂ شوق نے خودداری کے مصنوعی بندھنوں کو توڑ ڈالا۔ اس نے اپنی سانولی کلائی جس کا زیور صرف اس کی حسن پاش عریانی تھی جمشید کے گلے میں ڈال دی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی جھکی ہوئی ٹھوڑی کو اوپر اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

جمشید کی رنج و غم کے بار سے دبی ہوئی پلکیں ایک کشمکش کے بعد بے کسی سے اوپر کو اٹھیں۔ اور اس کی مایوس نظروں شیریں کی نشۂ محبت سے چور آنکھوں کے تحیر افروز عمق میں ڈوب گئیں۔ ایک مسحور کی طرح اس کا چہرہ شیریں سے قریب تر ہوتا گیا اور جب وہ لعل ریز ہونٹوں کے قرب نے اس کے بدن میں ایک سنسنی پیدا کرکے اس کا رواں رواں کھڑا کر دیا تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹا اور گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے ابل کر رخساروں پر بہ آئے۔

وہ یک لخت سوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور شیریں کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے رخصت ہونے لگا لیکن شیریں کا اٹھ کر اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کے کندھے پر رکھ دینا اس کے عزم کی شکست کے لئے ضرورت سے زیادہ تھا۔ اس نے آہستہ مڑ کر شیریں کو۔ اس کی خاموش نظروں کو دیکھا اور مجبوری سے سوفے پر گر پڑا۔

شیریں کے بے حد اصرار پر اس نے نیچی نظروں اور ٹوٹے پھوٹے فقروں میں بتایا کہ اس کے بے حس اور ظالم چچا کاؤس جی جو اس کے مربی اور سرپرست بھی ہیں اس کے مستقبل کو شیریں سے آباد دیکھنے پر رضا مند نہیں اور اس کی ازدواجی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا کہ "بعض معاملات کے متعلق وہ عجیب و غریب رائے رکھتے ہیں اور مضبوط سے مضبوط دلائل اور اعلیٰ سے اعلیٰ نظائر بھی ان کی رائیں متزلزل نہیں کر سکتیں۔ جذبات عشق کو وہ نہ صرف نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ ان کا سدِ راہ ہونا وہ اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔"

Taj Tahir Foundation

اس کے بعد اس نے اپنی اور اپنے چچا کی ملاقات کا مفصل حال بتایا۔ اور آخر میں کہا کہ چونکہ میں نے ان کی تلخ تقریر کو سعادتمندانہ خاموشی سے سنا اور ان کو قائل کرنے کی خطرناک بلکہ ناکام کوشش نہ کی اس لئے وہ خود بخود کسی قدر متاثر ہو گئے۔ اور اب انھوں نے ایک تجویز پیش کی ہے جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں لیکن شیریں اس میں تمھارے ایثار کو بھی بہت کچھ دخل ہے"۔

اور اس کی گفتگو ایک پُر اثر خاموشی میں ختم ہو گئی۔

شیریں کچھ نہ بولی اور یہ سکوت جو ایک لفظ کے بے تاب انتظار میں خاموش تر بنتا جا رہا تھا اسوقت ٹوٹا جب جمشید نے اپنی آخری امید کا حشر معلوم کرنے کو ڈرتے ڈرتے شیریں کے چہرے پر نظر ڈالی اور معلوم کیا کہ گفتگو کا بقیہ حصہ سننے کے لیے اس کا اشتیاق الفاظ کا بھی متحمل نہیں ہے۔

اس نے ہچکچا ہچکچا کر کہا کہ "میرے چچا کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے تمھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہفتہ کے روز رات کو وہ سینما میں جائیں گے اور انھوں نے تجویز کیا ہے کہ میں تم کو وہاں لے کر آؤں تاکہ وہ تمھیں دیکھ سکیں"

اس کی خاموشی کچھ دیر پھر شیریں کے کسی لفظ کی منتظر رہی لیکن اس مرتبہ اس نے شیریں کی طرف دیکھے بغیر کہنا شروع کر دیا "شیریں میں چاہتا تو اس امر کی اطلاع دیے بغیر تم کو سینما لے جاتا اور اپنے چچا کو دکھلاتا لیکن تمھیں فریب دینا میں نے مناسب نہ سمجھا اور تمام معاملہ صاف صاف بتا دیا ہے۔ اب کہو۔ تم کیا کہتی ہو؟ میں جانتا ہوں کہ اس میں ایک خطرہ ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ تم کو اس خطرے میں ڈالوں۔ مگر یقین رکھو کہ اگر چچا نے تمھیں ناپسند کیا تو یہ خود غرض محبت اس توہین کی قیمت میری جان سے ادا کرے گی"۔

(۲)

شیریں ہفتہ کے روز شام کو سینما جانے کی تیاری میں مشغول تھی۔ اس نے اپنے کپڑوں کا بڑا صندوق کھول رکھا تھا اور اس کی تنقیدی نظر اپنی پوری قوت کے ساتھ ہر لباس کے حسن و قبح پر غور کر رہی تھی۔ مگر اس کا آئینہ خیال آج ہر لباس میں اس کے حسن کی داد دیتا ہوا ہچکچا رہا تھا۔

شیریں کی خالہ فیروزہ اس کے کمرے میں آئی اور ہر طرف پوشاکوں کو بکھرا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی

"شیریں آج کس فکر میں ہو"؟

شیریں نے بتایا کہ جمشید اپنے چچا سے ملاقات کرانے کے لئے آج مجھے سینما لئے جا رہے ہیں۔

اپنی خالہ کے چہرے پر ایک پر معنی تبسم دیکھ کر شیریں کا چہرہ شرم سے گلابی ہو گیا۔

Taj Tahir Foundation

شیریں کی خالہ مس فیروزہ کی عمر تیس برس سے متجاوز تھی لیکن ابھی تک اس کے پژمردہ چہرے پر دوشیزگی کی شرم و حیا باقی تھی یتیم شیریں اپنی اسی خالہ کے ساتھ رہتی تھی اور خالہ بھانجیوں میں بے انتہا محبت کے ساتھ خاصی بے تکلفی بھی تھی +

فیروزہ بولی۔ "تو پھر آج کے لئے تم نے کونسی پوشاک منتخب کی ہے"؟

شیریں نے شرمیلی نظروں سے اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے کہا "کوئی بھی نہیں"! +

فیروزہ نے پوچھا" آخر کیا پہن کر جاؤ گی"؟

شیریں نے بکھری ہوئی پوشاکوں پر نگاہ ڈالی اور کہا" مجھے تو ان میں سے کوئی بھی پسند نہیں میں نہ جاؤں گی"! +

خالہ نے کہا" تم وعدہ کر چکی ہو تو یہ وعدہ خلافی نامناسب معلوم ہوتی ہے"! +

شیریں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور کچھ سوچ کر اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں +

شیریں کو لباس کے متعلق اس قدر افسردہ و متفکر دیکھ کر اس کی خالہ نے ہمدردی سے کہا" آؤ میں تمھیں ایک ایسی ساڑھی دوں کہ اسے پہن کر تو بس پری بن جاؤ"! +

یہ کہہ کر فیروزہ شیریں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ وہاں لوہے کا ایک بھاری ٹرنک کھولا اور بہت سے کپڑوں کے نیچے سے ایک پوشاک نکالی جو ایک خوبصورت تولیہ میں لپٹی ہوئی تھی۔ جب فیروزہ نے تولیہ علیحدہ کرکے گلابی ساڑھی کی چک دار تہوں کو کھولا تو اس کی جگمگاہٹ سے شیریں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس نے وفور مسرت سے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ساری کو اٹھا لیا اور پھر اسے علیحدہ رکھ کر اپنی خالہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اسے خوب زور سے چمٹا کر اپنے طوفان مسرت کے ناقابل ضبط جوش کو فرو کیا +

فیروزہ نے بمشکل شیریں کو علیحدہ کیا اور شیریں گلابی ساڑھی کے نفیس کپڑے کو اور اس پر بنے ہوئے قیمتی کام کو دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ آخر وہ بولی" اچھی خالہ آپ نے آج تک یہ ساڑھی مجھے نہ دکھائی اور آپ نے اس کو کبھی پہنا بھی تو نہیں"؟

فیروزہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے بمشکل اپنے چہرے پر تبسم پیدا کرکے کہا" میں نے اسے صرف دو مرتبہ پہنا تھا۔ اور پھر ——— "

وہ اور کچھ نہ کہہ سکی لیکن شیریں کے طفلانہ اصرار نے آخر معلوم کر ہی لیا کہ عشق کے بے پناہ شعلوں نے ایک مرتبہ اس کی خالہ کے دل کو بھی روشن کیا تھا۔ لیکن اس کی افسردہ زندگی اس کی اشک ریزیاں اور محروم خواب راتیں جس کی محبت کی غیر فانی یادگاریں تھیں وہ کئی سال ہوئے کسی تجارتی کام پر بمبئی سے روانہ ہوا۔ اور پھر واپس نہ آیا +

(۳)

جب شیریں اور جمشید سینما کے دروازے پر گاڑی سے اترے تو ایک عصبی کمزوری کی وجہ سے شیریں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس کا کمزور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے کہیں گر پڑے +

تمام زمانے کی نگاہیں حسن کے اس بے پرواہ شعلہ جوالہ کی خدمت میں عقیدتمندانہ خراج تحسین پیش کر رہی تھیں۔ اس کی گلابی ساڑھی کے کناروں پر سنہری بیل اور درمیان میں ننھے ننھے خوشنما پھول برقی لیمپوں کی روشنی میں یوں چمک رہے تھے۔ گویا شفق کے حسین رنگ میں ایک بجلی نہایت خوش ترکیبی سے تڑپ رہی ہے ساڑھی کے پلو کا بھاری ترنج گھڑی گھڑی ساڑھی کو سر پر سے سرکا دیتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کے لمبے بالوں کی خمار انگیز تاریکی تمام روشنیوں سے انتقام لے رہی ہے اس کی کلائیوں کی نزاکت میں ایک ایک ہلکی جڑاؤ چوڑی قیامت کی دلفریبی پیدا کر رہی تھی اور ایک سفید موتیوں کا ہار جس میں جابجا یاقوت لٹک رہے تھے۔ اس کی حسین گردن کی عریانی میں ایک شان دلربائی پیدا کر رہا تھا +

شیریں کی پریشان نظریں جنھیں کہیں بھی قرار نہ تھا۔ ایک عجیب مبہم توقع میں ادھر سے اُدھر پھر رہی تھیں +

جمشید نے جب شیریں کو ایک سوفا پر بٹھا دیا اور جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا "وہ ابھی تک نہیں آئے ہیں" اور خود باہر چلا گیا تو وہ وقت کی رفتار کے ان تمام اسرار کو جو بہت کم شرمندۂ احساس ہوتے ہیں کماحقہٗ محسوس کر رہی تھی +

تھوڑی دیر بعد جب شیریں نے دیکھا کہ جمشید ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو اپنے ساتھ ساتھ لا رہا ہے تو اس کے دل کی دھڑکن سینما ہال کے تمام محشر گفت و شنید پر غالب آگئی +

جمشید کے چچا کی عمر چالیس سے کم تھی لیکن کوئی کوئی سفید بال ان کے ضعیف ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ ان کے چہرے کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اور وہ اپنی صورت سے خاموش سنجیدہ اور با اخلاق معلوم ہوتے تھے جب وہ شیریں کے قریب پہنچے تو وہ کچھ ایسی کھوئی ہوئی سی تھی کہ اس کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اٹھ کھڑی ہو یا بیٹھی رہے اور اس کا مجوزہ حسن سلوک ایک نیم بیہوشی کی حالت میں سے بیدار ہونے کی کمزور کوشش کر رہا تھا۔

جمشید نے اپنے چچا سے کہا "مس نوشیرواں جی آپ ہی ہیں"۔

کاؤس شیریں کی گلابی ساڑھی کو دیکھ کر یک بخت ٹھٹکا۔ اور گو جمشید کی آواز اس کے کان میں اس طرح پہنچی جیسے عالم خواب میں کوئی صدا سنائی دے لیکن یہ سنکر وہ چونکا اور اس کے منہ سے نکلا۔

"مس نوشیرواں جی۔ یہ نوشیرواں جی!"

جمشید کی نظریں جو ایک بیتابی کے عالم میں شیریں کے چہرے سے اپنے چچا کے چہرے پر پھر رہی تھیں کاؤس جی کو متحیر دیکھ کر ایک عظیم توقع میں اس کے ہونٹوں پر ٹھہر گئیں۔

کاؤس جی نے ذرا سی خاموشی کے بعد پوچھا "اور تمھاری والدہ کا نام فیروزہ تھا؟"

شیریں کے تنفس نے کہا "جی نہیں" اور پھر کچھ دیر بعد اس نے اپنے حواس مجتمع کر کے جواب دیا۔ "وہ میری خالہ ہیں۔ ان کی تو شادی ہی نہیں ہوئی میری والدہ کا نام گل بانو تھا"۔

کاؤس کے سرخ چہرے کا رنگ یک بخت زرد پڑ گیا اور وہ سوفے پر گر پڑا۔ اس نے اپنی ٹوپی اتار دی اور اس کا ہاتھ پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے اس کے گھنے بالوں میں کسی قدر چھپ کر ٹھہر گیا اور اس کی آنکھیں بہت دور سینما ہال کی دیواروں سے باہر غیر محدود فضا میں جس کی وسعت قید نظر سے آزاد تھی کوئی نظارہ دیکھنے لگیں۔ جمشید نہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ عجیب و غریب سکوت جس میں اسے اپنے چچا پہلی مرتبہ کچھ شاعر سے معلوم ہو رہے تھے کیا معنی رکھتا ہے۔ شیریں نے اس پریشان خاموشی کو توڑنے کے لئے اور یہ سمجھ کر کہ کاؤس جی کسی غلط فہمی میں نہ پڑ گئے ہوں کہا "میری والدہ کے انتقال کو تو کئی سال ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک میں اپنی خالہ فیروزہ ہی کے پاس رہتی ہوں"۔

کاؤس نے چونک کر بے ساختہ کہا "اور یہ گلابی ساڑھی آپ کی خالہ فیروزہ ہی کی ہے"۔

غصہ اور شرم سے شیریں کے رخسار گلابی ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی کو تھی کہ جمشید کی گھبرائی ہوئی نظروں سا

Taj Tahir Foundation

کو دیکھ کر اس نے بمشکل اپنے غصہ کو ضبط کرلیا اور دیکھا تو کاؤس کسی نئے تخیل کے پر اسرار عمق میں مستغرق تھا۔ تینوں خاموش تھے۔ بے حس و حرکت تھے لیکن ان کے دلوں میں عجیب و غریب جذبات بادلوں کی طرح گھر گھر کے جدا۔ اور جدا ہو ہو کر گھر رہے تھے اور سینما کا تماشہ زندگی کے کسی معمے کو اور زیادہ اُلجھا رہا تھا۔

(۴)

اگلے روز دوپہر کے قریب ایک کار شیریں کی کوٹھی کے دروازے پر ٹھیری اور اس میں سے کاؤس باہر نکلے۔ وہ کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف چلے لیکن روش کے ایک طرف پام کے گملوں کے افسردہ سائے میں انھیں ایک عورت سلائی کے کام میں مستغرق دکھائی دی اور وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ کچھ دیر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد وہ روش پر سے اتر کر جھجکتے قدموں سے اسی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اس عورت کے قریب پہنچکر اعماق قلب سے نکلنے والی آواز میں کہا "فیروزہ"!

فیروزہ کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جب اس کی نظریں کاؤس جی سے دوچار ہوئیں تو وہ اپنی جگہ پر سن ہو کر کھڑی رہ گئی۔ اس کا دماغ اس نظارہ کو تخیل کا کوئی شعبدہ سمجھ رہا تھا اور اس کا دل اسے خواب ہی سمجھ کر بے حد مسرور تھا لیکن جب کاؤس نے بڑھتے بڑھتے اسے اپنی بازوؤں میں لے لیا اور فیروزہ کے سینے نے ایک خمار انگیز آغوش کی حرارت میں ایک بیقرار دل کی دھڑکن بھی محسوس کی تو تمام موجودات ایک دیوانہ رقص ناچ کر صفحۂ عالم پر سے محو ہو گئیں اور ان دونوں کے حواس ایک نہایت پُر لطف اور رنگین بیہوشی میں ڈوب گئے۔

کاؤس نے کہا "فیروزہ میں ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہوا جب میں تم سے جدا ہو کر تجارت کی غرض سے یہاں سے روانہ ہوا تو پردیس میں میں نے یہ دلشکن خبر سنی کہ میرے بعد تم نے میرے رقیب نوشیرواں جی سے شادی کرلی ہے اس کے بعد میرے مایوس دل کو اتنی جرأت ہی نہ ہوئی کہ میں ہندوستان واپس آؤں۔ چنانچہ میں نے یہ تمام عرصہ مارشیس میں بسر کیا۔ وہاں ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ نوشیرواں جی اور مسز نوشیرواں جی کا انتقال ہو گیا۔ اب کچھ عرصہ ہوا کہ میں بمبئی واپس آیا ہوں اور کل رات سے پہلے میں تمھیں زندہ نہ سمجھتا تھا۔"

فیروزہ بولی "میں نے تم سے کئی بار کہا تھا کہ تم خواہ مخواہ نوشیرواں جی کو اپنا رقیب سمجھتے ہو۔ وہ

میری بہن کے خواستگاروں میں سے ہے"۔

کاؤس نے شرمندہ ہو کر جواب دیا "شاید اسی وجہ سے تم نوشیرواں سے بے تکلفی سے ملتی تھیں اور مجھ سے کھنچی کھنچی رہتی تھیں اور یہی تفاوت تھا جو ہر وقت میرے دل میں رقابت کی آگ بھڑکاتا رہتا تھا۔ حقیقت میں میں اپنی غلطی پر بے حد پشیمان ہوں اور اس کا کافی خمیازہ بھگت چکا ہوں۔ فیروزہ تمہاری یاد میرے دل سے کبھی فراموش نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ میں تمہاری اس گلابی ساڑھی کو بھی نہیں بھولا۔ جو ہماری آخری ملاقات کے وقت تم نے پہن رکھی تھی۔ رات میں نے تمہاری بھانجی کے جسم پر اس ساڑھی کو فوراً پہچان لیا"۔

فیروزہ نے تعجب سے پوچھا "تو کیا جمشید کے بے حس چچا تم ہی ہو"؟

کاؤس نے کہا "ہاں جمشید میرا ہی بھتیجا ہے لیکن جس محبت کی ناکامی نے مجھے بے حس بنا دیا تھا۔ اس میں کامیاب ہو کر میں اب پھر ذی حس ہو جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر کاؤس نے ایک بوسۂ محبت سے اپنی محبت کا کامیاب دور شروع کیا۔

اور پھر کھڑکی میں سے ایک آواز آئی "نہیں نہیں ہم اس جذبے کو نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں" اور انھوں نے اپنی محویت سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو جمشید اور شیریں ایک کھڑکی میں کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔

سید امتیاز علی تاج

پھول

جب میں زمین کے سخت و کرخت سینے پر کسی تنہا پھول کو اپنی شگفتگی میں سرشار دیکھتا ہوں تو ٹھٹک کر رہ جاتا ہوں۔ مجھے گئے گذرے زمانے کی دھند میں سے وہ منظر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب ایک باپ کے کانپتے ہوئے ہاتھوں نے اپنی زندگی کی مسرتوں کے خزینہ دار ننھے بچے کے زرد و سرد جسم کو قبر کی تنہا تاریکی میں چھوڑ کر مٹی سے ڈھانپ دیا تھا۔

میں سوچتا ہوں کہ اس شگفتہ پھول کا ان ننھے ننھے سفید ہاتھوں سے جو مٹی میں ہمیشہ کے لئے چھپ جانے والے نازک ہاتھوں سے تو کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ اسی کی پاک روح تو نہیں جو اپنی یاد کا حق مانگنے کے لئے زمین کے سکوت میں سے اپنے حسن معصوم کے ساتھ باہر جھانک رہی ہے۔

تاج

تو مجھے پھر یاد آ گئی

میں سمجھا تھا کہ رات کی تراکم ظلمت تیرے خیال کو مجھ سے پوشیدہ کر دے گی اور تیری یاد کو دور ـــ مگر نہیں اس کا سواد تیرے گھنیرے گیسوؤں سے ملتا جلتا ہے۔ اس کا طول تیری زلفوں سے مشابہ ہے ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی۔

میں نے خیال کیا تھا کہ اس وقت جب علیل نسیم اپنا مسک پاش دامن اٹھائے۔ درختوں کی شاخوں کے سہارے خراماں نظر آئے گی جب شب بیدار ستارے اپنی خواب آلود آنکھیں بند کر رہے ہوں گے جب جاتی ہوئی ظلمت نور سحر سے گلے مل کر رخصت ہو رہی ہوگی میرا خیال بٹ جائے گا اور میرا دل بہل جائیگا ـــ مگر نہیں رات نے اپنا دامن سمٹایا تیرے بیاض گردن سے سواد زلف سرکا ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی۔ نور سحر میں نہائے ہوئے افق پر آفتاب داغ پیکر کا نذیش عروج مجھے اپنے میں جذب کر چکا ہوتا۔ اگر میرا خون شدہ دل جو تیری مخمور تیری بیمار نگاہوں کا فدیہ تھا نہ یاد آتا ـــ دل کہاں ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی ٭

میں سمجھتا تھا کہ چمن کی طراوت میرے زخمی دل کے لئے ایک مرہم لطیف ہوگی مگر توبہ ـــ شاخوں میں تیری لچک ہے، اور گلوں میں تیرا رنگ ـــ کلیوں میں تیرا تبسم ہے اور کانٹوں میں تیرے مژگاں دراز کی تصویر ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی

مجھے یقین تھا کہ موسم برشگال کی خنک ہوائیں چمن کے دوش پر برق لسبل کا بستر ہوتا ہے میرے دماغ کو تسکین دیں گی۔ اور میرے مذاشک میں جزر پیدا کریں گی ـــ مگر کہاں ـــ تیرہ گھٹاؤں میں تیرے چشم سرگین کی تعبیر تھی اور جلوہ برق میں تیرے نگاہوں کی تفسیر ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی ٭

سطح فلکی پر ماہ نور بار کی سیر اور اس کا وسیع دامن ضیا میری تسلی کے لئے کم نہ تھا۔ اس کی ہمہ گیر جاذبیت میرے خیال کو محو کر دینے کیلئے کافی تھی۔ اگر میرا پہلو ویران نہ ہوتا۔ آہ نہ تو تھی نہ دل ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی۔ ٭

دریا کے آغوش میں ایک جسم سیال ولطیف کی رفتار میرے لئے کیسی دلچسپ ہوتی اگر تو ـــ اے میری موج پا! مجھے نہ یاد آتی ـــ موجوں کی کشش میں تیرے مدابرو کی تصویر ہے اور حبابوں کے وجود فنا میں میرے دل آبلہ سامان کا نقشہ ـــ تو مجھے پھر یاد آ گئی ٭

گہر جائسی

معاشقۂ عرب
یا
وصالِ حسن و عشق

خدائے قادر نے حسن اور پھر عورت کے حسن کو بھی کیا قوت تاثیر اور جاذبیت ودیعت کی ہے۔ آگ کو پانی اور پتھر کو موم کر دینا۔ اس کی برق ریز تجلیوں کا ایک معمولی کرشمہ اور آئے دن کا معمول ہے۔

ایک سخت سے سخت اور جذبات سے بچیں دل رکھنے والا انسان بھی اس کے سحر افروز شعلوں اور الفت آفریں شراروں کی تابش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک سرکش مغرور جو کسی بڑی سے بڑی ہستی کے آگے بھی سر جھکانا اپنے لئے ذلت سمجھتا ہو جس کی خود بینیاں حوادث عالم کے غیر معمولی سے غیر معمولی انقلاب اور اتفاق سے بھی چشم ملتفت کو ملوث کر لینا اپنے استغنا، کبر اور شان عظمت کی توہین جانتی ہوں جس کی خودداریوں کے نزدیک دنیا کے موثر سے موثر واقعہ سے بھی اثر پذیر ہونا مذہب شجاعت کا گناہ عظیم ہو، مگر ایک حسین عورت کی جادو فریب آنکھیں اس کو بھی اپنا مسحور محبت کرنے اور اس کا غرور توڑنے میں ہمیشہ فاتحانہ کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ اس کے خنجر ابرو اور تیغ ادا کی ادنیٰ سی جنبش بھی بڑے بڑے سورماؤں۔ اور بہادروں کو چشم زدن میں دنیا سے ناپید کر دینے میں کافی سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہے۔ عالم علم و فضل کے جید سے جید ماہر، دنیائے زہد و اتقا کے اعلیٰ سے اعلیٰ کامل اس کے خاموش مجسمے کے حضور میں روز اس عاجز برہمن کی طرح سربسجود نظر آتے ہیں جو باوجود انتہائی عقل و ہوش کے بھی ایک پتھر کی مورتی کے آگے زانوئے ادب تہ کئے سر ٹیکے۔ دونوں ہاتھ جوڑے گڑگڑا گڑگڑا کے ڈنڈوت کر رہا ہو اور اس کا یقین۔ اسکی عقیدت اس حسن عمل کو فرض ایمانی جان کر مسرور ہو۔

نوجوان ذرعہ کی زندگی حسین و شکیل ہونے کے ساتھ علم و فضل کے کمال سے بھی آراستہ تھی۔ وہ

شباب کی بے نیاز خوش مستیوں کے ساتھ شجاعت اور بہادری کی بیش بہا صفات سے بھی متصف تھا۔ اس کا لہو و لعب بھی قتل و خون تھا۔ وہ کھیل بھی کھیلتا تو مردانہ۔ شکار کا بہت شوقین تھا جب کبھی علم و شجاعت کے مشاغل سے اکتا تا تو کسی جنگل کی طرف نکل جاتا تھا۔ صبح سے شام تک اپنی تیر اندازی۔ تیغ آزمائی میں دن کاٹتا۔ بیسیوں بے زبان جانوروں کا خون پانی کرتا اور چلا آتا۔ اس کے کبھی وہم میں بھی نہ آیا تھا کہ کوئی طاقت دنیا میں اس کے شوق۔ اس کی خوشی کی بھی مزاحم ہو سکتی ہے۔ وہ مطلقاً بے خبر تھا کہ مخلوقات عالم میں کوئی ہستی اس کے بہادر دل پر بھی فتح پا سکتی ہے۔ یا اس کے عشق سے نا آشنا جذبات بھی کسی حسن عالم سوز کی پرستش پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

ایک دن وہ اپنے سمند باد رفتار گھوڑے پر سوار کسی جنگل میں غشنا فان شہادت آہوان صحرا کے کشت و خون میں مشغول تھا۔ دھوپ تیز ہو چکی تھی۔ ریگستان عرب کے چٹیل میدان گرم ہو چکے تھے۔ زمین تپ رہی تھی۔ رقص بسمل کے تماشے اس کے دل کو سیر کر چکے تھے اور وہ موسم کی ناقابل برداشت تحریک سے متاثر ہو کر کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر دم لے یکایک اسے دور سے اس سفید ریت کے غیر محدود میدان میں ایک گہری سی سیاہی نظر پڑی۔ وہ اسے گھنی چھاؤں سمجھ کے جلد جلد اس کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر دیکھا تو واقعی ایک نخلستان ہے اور کھجوروں کے گھنے اور سایہ دار درختوں کے جھنڈ میں ایک چھوٹا سا صاف اور شفاف پانی سے لبالب چشمہ اپنے تشنگان دیدار کی سیرابی کے لیے چشم منتظر کی طرح وقف ایستادہ ہے جس کے چھوٹے سے پانی کی مضطرب موجیں دور دور تک کے آنے جانے والے مسافروں کی تواضع اور مہمانی کیلئے آغوش خیر مقدم کھولے بڑھی چلی جا رہی ہیں۔ ذرعہ نے اس خلاف توقع جگہ کو اپنے لئے غنیمت جانا۔ گھوڑے سے اترا لگام ایک درخت سے اٹکائی اور چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا۔ صحرائے عرب میں اس قسم کے مقامات مغتنم سمجھے جاتے ہیں اکثر تھکے ماندے مسافر خستہ حال رہرو۔ شدت گرما اور طوالت سفر سے تنگ آ کر ان سے مستفیض ہونے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ خانہ بدوش قبائل مہینوں انھیں اپنا مامن بناتے ہیں خیمے ڈیرے ڈال کر قیام گزین ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ایک قبیلہ اس نخلستان اور چشمہ کے کنارے مقیم تھا۔ اس کے نوخیز بچے نخلستان میں کھیل رہے تھے۔ دوشیزہ لڑکیاں آزادی اور تنہائی کو حجاب عریانی بنائے چشمہ میں نہا رہی تھیں۔

ذرعہ جو ابھی تک ساحل کی ضعیف و ناتواں ہلکی ہلکی لہروں کو ٹھکرا ٹھکرا کر ناز و نیاز کے ارتباط فطری کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر اٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ بہت سی عورتیں تو پانی میں موجوں سے چہلیں کرنے او

Taj Tahir Foundation

نہانے دھونے میں مشغول ہیں اور ایک مہ جبین پانی کی طرف منہ کئے گورے گورے ہاتھوں کی نازک نازک انگلیوں سے اپنے سیاہ اور لمبے۔ گھنے اور گھونگروالے بالوں کو کھڑی نچوڑ رہی تھی۔

نوجوان ذرعہ کی عمر میں یہ سب سے پہلا واقعہ تھا کہ اس کے دل میں کسی عورت کو دیکھ کر گدگدی پیدا ہوئی ہو۔ وہ بہت متاثر ہوا۔ اٹھا اور اس طرف کو چل دیا۔ لڑکیوں نے دیکھ کر ایک دوسری کو مطلع کر دیا۔ جو پانی میں تھیں وہ پانی میں چھپ گئیں۔ مگر اس آفتاب لب جو سے گھبراہٹ میں اور تو کچھ نہ بنا۔ جلدی سے اپنے آپ کو بالوں کے سیاہ اور لمبے برقعے میں چھپا لیا۔ یا یوں کہئے کہ ایک لمبی سی سیاہ چادر پھیلا کر اوڑھ لی۔ اس وقت اس کا حسین چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شب تار میں ماہ تمام نمودار ہو گیا ہو۔

نوجوان ذرعہ جوں جوں اس کے قریب ہوتا جاتا تھا اس نظر سوز حسن بے حجاب کی تابش۔ اور تمازت سے رگ رگ میں عذری خون ابلتا اور کھولتا جا رہا تھا۔ آخر سیلاب شباب کی روانی میں جوش اور تلاطم پیدا ہو گیا۔ دریائے زندگی میں ایک اور نئی لہر موجزن ہوئی جس کے برقی اثر سے سینہ کی انگیٹھی روشن ہو گئی۔ دل میں الفت کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور ذرعہ بیخود اور بیہوش ہو کر منزل مقصود تک نہ پہنچنے کی تمنا دل میں لئے ہوئے اس کے قدموں سے کچھ دور زمین پر گر پڑا۔ حسین دوشیزہ کے الھڑ پنے کی سادگی کے لئے یہ منظر نہ صرف نیا بلکہ عجیب وغریب تھا۔ وہ دیکھ کر جھجک گئی مگر عربی نسل کے متواضعانہ اخلاق اور بدوی خون کی غیرت سے اس طرح ایک راہ چلتے مسافر کو گرتے دیکھ کر نہ رہا گیا۔ انسانی ہمدردی متحرک ہوئی اور وہ بیتابانہ ایک ہاتھ سے اپنے بھیگے تہبند کو اٹھاتی سنبھالتی اور دوسرے سے بالوں کو سمیٹتی سنوارتی آگے بڑھی اور اپنے انجان بیہوش کے سرہانے بیٹھ کے پانی سے بھیگے بالوں کے ٹپکتے ہوئے قطروں اور ہمدردی سے نمناک آنکھوں کے اشکوں سے چھینٹے دینے لگی۔ اللہ اللہ ؎

مر کر بھی کامیاب ہے پروانۂ عشق میں (بیدل) معشوق اور لاش پہ یوں اشکبار ہو

نوجوان ذرعہ کی طبیعت میں جب ذرا سکون و اطمینان پیدا ہوا۔ جب امتداد زمانہ کے لمحے اسے ہوش میں لا چکے تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے رحم و ترس سے ناآشنا آنکھوں نے نہایت حیرت سے دیکھا کہ جس غارت گر عقل وہوش نے ابھی اس کے دل و جگر کو زخمی کیا تھا۔ وہی اب اس کے سرہانے بیٹھی مرہم پٹی کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔ اس نے نہایت تعجب سے پوچھا۔

"کیا قاتل قتل کے بعد مقتول کے زندہ کرنے کی بھی تدبیر کیا کرتے ہیں"

نازنین نے ہمدردی کے نہایت نرم لہجہ میں جواب دیا

معاف فرمائیے مجھے خود شرمندگی ہے کہ میں جلدی میں کوئی آپ کی ایسی خدمت نہ کر سکی۔ جو آپ کی صحت کے لئے مستقل طور پر مفید ہوتی۔ گو فوری شکایت تو رفع ہو گئی۔ امید ہے کہ آپ مجھے معذور جان کر معاف فرمائیں گے۔ اور میری مجبوریاں آپ کو شکایت کا موقع نہ دینگی

نازنین کا جواب گو بظاہر تو سوائے تلطف آمیز چند مہربانیوں اور انسانی ہمدردیوں کے اپنے اندر کچھ اثر نہ رکھتا تھا۔ مگر نوجوان ذرعہ کے نزدیک اس کے جواب کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ خدا جانے کونسے جذبات محبت سے لبریز تھا جس سے اس کے مضطرب دل کو بہت کچھ تسکین ہو گئی۔ اس کی مضطر اور بے قرار روح جو تمام عمر کو اسے خیرباد کہہ رہی تھی۔ پھر اپنی جگہ واپس آ گئی۔ وہ اٹھا۔ اس کی نگاہ واپسیں اس چاند سے چہرے کے ارد گرد نثار ہوئی اور وہ ایک آخری نظر ڈالتا اور یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا

خرجت اصید الوحش صادت قانصا — من الریم صادتنی سریعا حبائلہ

"میں وحشی اور جنگلی جانوروں کا شکار کھیلنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا۔ مگر میں نے سفید چال والی ہرنی کو دیکھا اور قبل اس کے کہ میں شکار کھیلوں) اس نے اپنے جالوں سے خود مجھے پھانس لیا اور اپنا شکار کر لیا"

فلما رمانی بالنبال مسارعا — رقالت وهل مت مدا وبه قاتله

"جب اس تیزی کے ساتھ وہ میرے دل و جگر پر تیر مار چلی تو اس امید میں کہ میں اچھا ہو جاؤں مجھ پر افسوں پڑھنے لگی (لیکن) کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کی چارہ سازی بھی کرتا ہے"

الا ان سبیل الرصب قد انقضی — ولم یبلغ مراد اً ایجا و له

"آگاہ رہ کہ ایک سرگشتہ و مجنون گو محبت کے راستہ سے بہت جلد گذر گیا۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو ابھی تک نہیں پہنچا"

نازنین کچھ دیر تو محو حیرت بنی جانے والے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ مگر جب اس کی ساتھی سہیلیوں نے مونڈھا ہلا کے واپس چلنے کو کہا تو اٹھی اور ساتھ ہولی۔

آہ! ظریفہ گو نسوانی ضبط۔ نسوانی شرم و حیا سے چپ تھی۔ عزت نسوانی نے اس کے منہ پر مہر لگا دی تھی

مگر اس کا دل تیر عشق سے محفوظ نہ تھا۔ اس کے سینہ میں بھی سچی اور پاک محبت کا دریا لہریں مار رہا تھا ہمراہیوں کی آنکھیں بچا بچا کے مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی اور دل ہی دل میں چپکے چپکے حضرت عشق کے مقتولوں میں اضافہ کرنے کو اس کشتہ ناز کی گمنامی کے ساتھ اپنا نام بھی پیش کرتی چلی جاتی تھی +

عذرا گھر آیا تو حالت ہی غیر تھی۔ اس کا دل اب وہ پہلا سا دل نہیں رہا تھا۔ اور نہ اس کی صورت اب اگلی سی وہ صورت تھی عشق کے جادو نے اس کی تمام باتوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا اب اسے اپنے مکان کے گوشے میں پڑے رہنے اور کبھی کبھی اشعار پڑھنے کے سوا کوئی شغل نہ تھا۔ اس کی ماں نے جب اس کی حالت میں یکا یک یہ تغیر دیکھا۔ اس کے چہرے پر حزن و اضمحلال کے آثار نمایاں محسوس کئے۔ تنہائی میں عشقیہ اشعار پڑھتے سنا تو سمجھ گئی کہ ضرور کسی غزال چشم نے شکار میں اسے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اسے قسمیں دلائیں کہ صحیح واقعہ۔ اور گذری ہوئی مصیبت سے اطلاع دے۔ ماں کے اصرار پر اس نے اپنے درد دل اور دل و جگر پر گذر رہی ہوئی کیفیت کا اظہار کر دیا +

بیٹے کی فریفتگی کا حال معلوم کر کے اسے فکر پیدا ہوئی۔ وہ اس سفید ہرنی کی جس کے لانبے لانبے بالوں اور مخمور و مریض آنکھوں نے اس کے لخت جگر کے عیش و آرام کو مختل کر دیا تھا جستجو میں گھر سے نکلی اور پتہ لگانے لگی۔ کہ ان دنوں اس چشمہ کے کنارے کون قبیلہ مقیم تھا +

حسن اتفاق سے وہ حسین نازنین بھی خود اس کے قبیلہ "بنی عذرہ" کی لڑکی تھی اس کا نام ظریفہ بنت صفوان تھا۔ ذرعہ کی ماں کو جب اس کا علم ہو گیا تو وہ ظریفہ کے پاس گئی اور خلوت میں اپنے بیٹے کی حالت زار سے اسے مطلع کیا۔ اس کے آگے ہاتھ جوڑے اور پاؤں پر گر کر عجز کے ساتھ کہا۔ اے حسینۂ عرب! ایک مقتول ناز کی زندگی تیرے اور محض تیرے ہاتھ ہے۔ اگر تو اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر تو چاہتی ہے کہ اس کے مرض عشق میں تخفیف ہو جائے تو اس کی صرف ایک یہی تدبیر ہے کہ اپنے جہاں سوز حسن سے اسے متمتع کر......"

نازنین نے اس کے جواب میں کہا۔ آپ جو کچھ فرما رہی ہیں میری خود بھی تمنا اور آرزو یہی ہے لیکن آپ جانتی ہیں کہ ملک میں نمام اور چغلخور بہت ہیں۔ اگر کسی کے کان میں یہ بات پڑ گئی تو مخالف ہو جائیں گے۔ اگر میری محبت کا راز افشا ہو گیا تو دشمن تو درکنار دوست بھی بدخواہ ہو جائیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ میرے سر کا بال لیجا کر آپ انھیں دے دیں۔ اگر انھیں میرے ساتھ پاک و بے لوث محبت ہے اور عشق سچا ہے تو اس کو پاس

Taj Tahir Foundation

رکھنے سے انھیں یقیناً شفا ہوگی"۔

یہ کہکر اس نے سر سے ایک بال توڑا اور ذرعہ کی ماں کو دے دیا۔ وہ اس سوغات۔ اس ارمغان محبوب کو لے کر بیٹے کے پاس گئی۔ ذرعہ نے اس ہدیہ محبت کو لے کر سینہ سے لگا لیا۔ انتہائے شوق میں جذبات محبت سے بے خود ہو کر اسے بوسے دیئے اور منہ پر پھیرنے لگا۔ جوں جوں وہ اسے دل سے لگاتا۔ اس کے مضطرب دل کی دھڑکنیں لحظہ بہ لحظہ سکون و اطمینان سے تبدیل ہوتی جاتیں اب دن رات اسے سوائے اس شغل کے کچھ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے غم والم کے آثار بالکل مفقود ہو گئے۔ بھوک۔ پیاس جو بالکل تھک چکی تھی پہلے کی طرح عود کر آئی۔ وہ نہایت خوش عیش زندگی بسر کرنے لگا۔ اس کے دل نے اس بال سے جو باہمی عشق و محبت کی مجبوریوں اور معذوریوں کا ایک باریک کنایہ تھا صبر و قناعت تسلیم و رضا کا کافی سبق حاصل کر لیا۔ وہ اب دل ہی دل میں اس کی یاد سے شادکام رہتا اور اپنے ظاہری زخموں کو اس بال سے روز کسی گھنے میں بیٹھ کے خود سی لیا کرتا۔ اس کے جذبات الفت نے اپنے محبوب کی زلف سیاہ سے خیالی رشتہ داری کے حصول آرزو کا اس بال کو ذریعہ بنا لیا تھا وہ ہر وقت خوش رہتا اور دنیا کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔ اس کی ماں اب روز اس کے سامنے دسترخوان بچھاتی اور وہ خوب سیر ہو کر کھانا کھاتا۔ مرض کی زیادتی وضعف کی فراوانی سے وہ کمزور ہو کر اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اب بے تکلف کھڑا ہو کر چلنے پھرنے لگا۔ اب اس میں اتنی سکت بھی آگئی تھی کہ کچھ دور کھڑے ہو کر دزدیدہ نگاہوں سے اپنی معشوقہ کے گھر کو دیکھ آتا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی دیکھ لیتی تھی اور اس طرح دو ہجراں نصیب بیماران الفت آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کے وصال سے متمتع ہو جاتے تھے ؎

نہ بولیں منہ سے لیکن کہہ گئیں سب کچھ اشاروں میں
ہلاکی ترجمان دل تھیں ان کی پرخمار آنکھیں

مگر آہ! یہ حالت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ محبت والفت کا یہ سربستہ راز کسی نہ کسی طرح اہل قبیلہ پر منکشف ہو گیا۔ نازنین کے عزیز و اقارب ذرعہ کے درپے آزار ہو گئے۔ انھوں نے اس کے قتل کا تہیہ کر لیا۔ ظریفہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے کسی ذریعے سے اسے کہیں چلے جانے کا پیام بھیجا اور مجبور کیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے یہاں سے روپوش ہو جائے۔

ذرعہ علم محبوب سے مجبور رہا۔ یمن کی جانب چلا گیا۔ وہ آب حیات کا جام بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ

Taj Tahir Foundation

روز اپنے مینائے دل سے اس جام کو لبریز کرتا اور نغمے میں چور ہو کر اپنی آنکھوں میں انڈھا لیتا۔ اس سے اس کے قلب کو یقیناً سکون ہو جاتا اور آرام سا آجاتا ٭

ایک دن اپنی قیام گاہ سے اٹھ کر چلا کہ کسی جنگل میں چل کر دور سے پرستی سے دل بہلاؤں گا۔ بدقسمتی سے راستہ میں بال نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا۔ اس نے بہت تلاش کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ایسی مصیبت کے عالم میں بال کا گم ہو جانا اس کے لئے دنیا کی تمام ناگہانی آفات سے زیادہ تھا۔ اس پر مایوسی چھا گئی اس کی حالت متغیر ہونی شروع ہو گئی۔ جذب عشق نے ترقی کی اور اس نے جوش جنون میں جان کی پروا نہ کر کے معشوق کے پاس جانے کی ٹھان لی۔ ابو شراعنہ اس کے واقف اور ندیم غربت نے اس کے مجنونانہ ارادے کی اطلاع پائی تو زبردستی روکنا چاہا خوف دلایا اور خطرے سے آگاہ کیا۔ مگر اس نے ایک مانی اور یاس آمیز الفاظ میں کہا :۔

خدا را مجھ پر رحم کرو مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ اس وقت مجھے صرف دو ہی باتوں کی خواہش ہے۔ یا تو میں اپنی آرزوئے وصال میں کامیاب ہو جاؤں یا میری آرزوؤں کی طرح میرا بھی خون کر دیا جائے۔ بس !

زرعہ آنکھوں میں آنسو بہاتا سفر کرتا چلا جاتا تھا۔ رستہ میں جو ملتا اس سے پیغام بری کی توقع کرتا۔ مگر ناکام رہتا۔ آخر اسے ایک لڑکا ملا۔ اس نے اپنے کندھے پر کی دو چادروں میں سے ایک چادر کا لالچ دے کر اسے راضی کر لیا۔ اور کہا کہ جب تو نازنین کے گھر کے قریب پہنچے تو ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا۔ اگر تو کامیاب آیا تو ان میں سے ایک چادر میں تجھے دونگا۔" لڑکا یہ سن کر ظریفہ کے مکان کی جانب روانہ ہو گیا۔ شراعۃ بھی پوشیدہ طور پر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ قریب پہنچا اور بآواز بلند اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

مریض بأفناء البیوت مطرح بہ ما بہ من لاعج الشوق مبرح

ایک مریض عشق مکھ کی چہار دیواری میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے آتش شوق سوز ناک ہے۔

فقالوا الا جل الیأس عودی بعل ما تشکاہ من الام وجد مبرح

اور لوگوں نے کہا لوٹ آ۔ ایسا نہ ہو کہ حالت یاس میں جس چیز کی تو شکایت کرتا ہے وہ بالکل ہی فنا ہو جائے۔"

ولیس دواء الداء الا بحیلۃ اخو ثقۃ فیہا عزام یترح

اور کسی مرض کی دوا بجز حیلہ کے کچھ نہیں اور اسی حیلہ میں جذب عشق کی زیادتی نے ہمیں نقصان پہنچایا۔"

و اذا ما سالناہ نوالا تنیلہ ‌‌‌‌ وصم الصفا منہا باندی اسمح

جب میں نے اس سے بخشش کا سوال کیا جو اس کے اختیار میں ہے۔ مگر آہ اس سے تو پتھر بھی زیادہ سخی نکلا۔"

لڑکے نے ان اشعار کو ختم کیا ہی تھا کہ قریب کے گھروں میں سے ایک نہایت دردناک آواز آئی۔

رعی اللہ من ھام الفواد بحبہ ‌‌‌‌ ومن کدت من شوقی الیہ یطیر

خدا اس شخص کی حفاظت کرے جس کی محبت سے میرا دل مضطرب ہو گیا۔ اور قریب ہو گیا کہ زیادتی شوق کی وجہ سے اس کی طرف اڑ جاؤں۔"

متیٰ کثرت بالقلب اتراح لوعۃ ‌‌‌‌ فان لو شاۃ الحاضرین کثیر

اگر کہیں شدائد محبت کی زیادہ ہو گئیں۔ تو بلاشبہ یہاں چغلخور بہت ہیں۔"

فیمشون یستنشرون غیظا شرۃ ‌‌‌‌ وما منہم الا اب و غیور

بلاشبہ یہی چغلخور (عزیز و اقارب کے پاس) جاتے ہیں اور سختی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور (جنھیں یہ مشورہ دیتے ہیں) وہ بجز باپ اور چند غیور شخصوں کے اور کوئی نہیں۔"

فان لم ازر بالجسم خیفۃ معشر ‌‌‌‌ فللقلب ات نحوکم فیزور

پس گو میں نے لوگوں کے خوف سے جسمانی ملاقات نہیں لی۔ مگر تمہاری خیالی تصویر میرے دل میں آتی ہے اور میں اس سے (آزادی کے ساتھ) شوق وصال کو پورا کر لیتی ہوں۔"

لڑکے کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اس نے فوراً واپس جا کر ذرعہ کو یہ دردناک اشعار سنائے ذرعہ پر غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو دردناک اشعار پڑھتا ہوا مایوس و ناکام اپنی جگہ چلا گیا اور پھر پہلے کی طرح گوشہ نشین ہو گیا +

ابو شراعۃ کا بیان ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد ظریفہ کو اس کے باپ نے اسی قبیلہ کے ایک شخص ثعلب سے بیاہ دیا۔ ذرعہ کو اس افسوسناک واقعہ کی خبر ملی تو وہ اضطراب مجسم و انتہائے سکوت کی تصویر ہو کر رہ گیا۔ خاموشی مہر دہن تھی اور حس و حرکت مفقود زندگی۔ لوگوں نے دیکھا تو جان سے خالی ایک مٹی کا تودا تھا۔ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا اور ایک خاک کا ڈھیر دفعۃً برباد ہونے کو

ہوا کے تیز جھونکوں کا منتظر تھا۔

ہجراں نصیب ظریفہ کو بھی اس دردناک اور مایوس کن حادثہ کی خبر پہنچی تو اس کی حالت بھی غیر ہو گئی۔ حرماں نصیب عاشق کے غم میں اس کے بے اختیار آنسو نکلنے لگے۔ رات دن خون کے آنسو رونے اور غم کھانے کے سوا دوسرا کام نہ تھا۔ اس کی حرماں نصیب زندگی اس کے خاندان پر بھی بار ہو گئی۔

ایک دن آدھی رات گذرنے پر جبکہ قریب قریب سارا عالم محو راحت تھا۔ ظریفہ بے قراری کی حالت میں اپنے مکان سے اٹھی اور اسی چشمہ کے کنارے پہنچکر اپنے آپ کو اس میں گرا دیا اور یوں اپنے معبود محبت سے وصال دوامی حاصل کر لیا۔

محمد حسین پیلی بھیتی

نازو نیاز

یہ مجھ سے نہ پوچھو کہ میں اس قدر جاں گسل مصائب۔ اتنی پُر الم کڑیاں برداشت کرنے کے بعد بھی میں کیوں زندگی کا آرزومند ہوں ....

یہ تم اپنے حسن کی رنگینی اور شباب کی شوخیوں سے پوچھو کہ وہی میری حیات کا مقصد اور میری زیست کا حاصل ہیں۔

ہاں! ہاں میں دنیا میں صرف تمہارے حسن کی بہار سے لطف اندوز ہونے کے لئے زندہ ہوں اور ابھی بہت دنوں تک رہوں گا۔

تمہارے غمزہ ہائے دلنواز کی قسم اب صرف تمہارے جلوۂ جاں بخش کے دیدار کی حسرت ہی میری حیات کا سبب ہے ورنہ میں ناکام زندگی دنیا اور دنیا کی سرد مہریوں سے تنگ آکر اب تک کب کا اس نابود ہستی کو لحد کی پر راز عافیت آغوش کی نذر کر چکا ہوتا میں جانتا ہوں اور مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ تمہیں میری محبت کا باور آنا محال ہے اور اگر یقین ہو بھی جائے تو آہ تمہیں تمہارا غرور حسن اس کے اعتراف کی اجازت بھی نہ دے گا۔

لیکن میں کیا کروں مجبور ہوں .... یہی کہوں گا اور ہمیشہ کہونگا کہ صرف تمہارے دیکھنے کیلئے زندہ ہوں، زندگی بھر یا

"بدحواسی"

تقریباً بارہ سال ہوئے جب الہ آباد میں "سلطان لاج[1]" کی ایک دیوار پر "مطبع احمدی پرس" لکھا ہوا دیکھ کر احباب کو اس نوع کی غلطیوں پر غور اور بحث کرنے کا خیال پیدا ہوا +

مجھے غالباً اس کا حق نہ ہونا چاہیے کہ اس کی مکمل تاریخ پیش کر کے ان صحبتوں اور خلوتوں کی بے معصوم لذتیں وقف عوام کر دوں جن کی یاد اور اس یاد کی پر لطف کیفیتیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح زمانۂ ماضی کی واقعیت لیکن اب جب کہ تمام گذشتہ صحبتیں عدم تناسخ کی تلخ حقیقت کو دہراتی ہوئی نظر آتی ہیں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس عہد کے کسی ایک ہی پہلو کو مستقبل کے لئے "کالجر" بنا جاؤں اور اس طرح اس فرض سے سبکدوش ہو سکوں جو بحیثیت "زاویہ نشین" ہونے کے مجھ پر عائد ہوتا ہے +

جس وقت سب سے پہلے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو اسی صحبت میں اس کا نام "بدحواسی" قرار دیا گیا اور غالباً اس افتتاح کو ناکام نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ شام ہونے سے پہلے کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا اور پورا ایک صفحہ رؤف و ریاض[2] کی کاپی سے پھاڑ کر اس کے لئے وقف کیا گیا (مجھے خوب یاد ہے کہ ان اقتصادیات کے طلبا نے خدا جانے کن کن مصالح کو پیش نظر رکھ کر صرف ایک ہی کاپی کو مشترک طور سے اپنا معمول بنانا ضروری قرار دیا تھا۔ تفریق صرف یہ تھی کہ جس صفحہ پر کوئی ایک شخص ان میں سے لکھ لیتا تھا تو دوسرا پھر اسی پر سرخی سے لکھ کر اپنا کام نکال لیتا تھا۔ جب رؤف و ریاض نے الہ آباد میں اپنی تعلیم ختم کی تو رؤف نے مجھے حساب کر کے بتایا تھا کہ اس طرز عمل سے دو سال کے اندر پورے سات روپے آٹھ آنے چھ پائی کا کاغذ بچ گیا) +

اس کے بعد ایک زمانہ حد درجہ انہماک کے ساتھ اسی فن کی تدوین میں صرف ہوا لیکن اخفائے حقیقت ہو گا اگر عارف[3]

[1] دائرہ شاہ اجمل میں سلطان علی صاحب کا ایک مکان جو صرف طلبہ کے قیام کے لئے وقف تھا +

[2] عبدالرؤف بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی (علیگ) جو اب اپنے اور میرے وطن فتحپور میں اصول ترک موالات کی خلاف وکالت کر رہے ہیں۔ ریاض میر بی۔ اے (فتحپوری) ہمیر پور گورنمنٹ اسکول میں ملازم ہیں۔ ان دونوں کو میرے ساتھ دوستانہ شاگردی کے تعلقات حاصل ہیں +

[3] کانگرس و انقلاب کے سابق ایڈیٹر۔ ترک موالات کے زبردست حامی اور باوجود حد درجہ نحیف و نزار ہونے کے سیاسی مسائل میں غیر معمولی عزم و ثبات کے مظہر جمیل۔ فتحپور نیا ہسوی۔ ثم الدہلوی +

Taj Tahir Foundation

کے جذبات کا نمایاں طور سے اعتراف نہ کیا جائے کیونکہ انھوں نے نہ صرف اس کی اشاعت ہی میں زیادہ حصہ لیا۔ بلکہ خود اپنی ذات سے ایسے ایسے خوارق پیش کیے جنھیں اس فن میں یا دنیائے بدحواسی میں "اعجاز" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے
اسی سلسلہ میں مجھے خلیقی[1]۔ ضیائی[2]۔ حبیب[3]۔ دلگیر[4] اور لطیف[5] کا بھی علیحدہ علیحدہ شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جن میں سے ہر ایک نے متعدد بار کسی نہ کسی طرح پر اس فن کو کافی مدد پہنچائی اور آج مجھے اس قابل بنایا کہ ایک مضمون اس بحث پر لکھ سکوں مجھے امید ہے کہ یہ حضرات میرے اس اعتراف خدمات پر نہ شاعرانہ انکسار سے کام لیں گے اور نہ شکریہ کا اظہار کریں گے۔ کیونکہ حقیقتاً ان کی خدمات اسی تحسین کی مستحق ہیں اور ان میں سے بعض تو واقعی مجتہد کہلائے جانے کے قابل ہیں۔ کیونکہ اگر وہ چاہیں تو بہت جلد لٹریچر میں معقول اضافہ ہو سکتا ہے ٭

قبل اس کے کہ میں چند واقعات پیش کروں۔ یہ بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ بدحواسی کی دو قسمیں ہیں ایک حالی اور دوسری مقالی ایک تیسری قسم اور ہے جو ان دونوں پر مشتمل ہے اور اس کا وقوع بہت کم ہوتا ہے تاہم میں آیندہ ایک آدھ مثال سے اسے بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا ٭

اب میں نہ صرف اپنے دماغ بلکہ بقیہ ریکارڈ کی مدد سے نہایت صحیح صحیح چند مثالیں درج کرتا ہوں لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ کن حضرات کی طرف سے یہ مواد فراہم ہوا ٭

(۱) الہلال کا عروج شباب پر ہے اور وہی جوش و ولولہ کے سلسلہ میں جو ہر جگہ نظر آتا تھا ہسوہ کی مسجد میں بھی بعد نماز جمعہ ...... "حزب اللہ" کے لئے کچھ ممبر پیدا کرنا چاہتے ہیں اور کھڑے ہو کر وعظ کے سلسلہ میں قیامت کے بیان سے لوگوں کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ چونکہ قیامت کی ابتدا "نفخ صور" سے ہوگی اس لئے انھوں نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ فرمایا کہ "برادران ملت تم نے قرآن مجید میں بارہا پڑھا ہوگا کہ و نفخ فی الصور یعنی جب سونک دیا جائیگا بھونپو" صور کا پھونک دیا جانا گو اس کا صحیح ترجمہ ہو۔ لیکن جو زور کلام جو شوکت بیان اس "سونک دیا جائیگا بھونپو"

---

[1] مولوی محمد الدین خلیقی۔ (ابو المعالی) مشہور اہل قلم۔ دلی میں چاندنی چوک کے معروف تاجر۔ اور ادب لطیف کا بہترین ذوق رکھنے والے ٭
[2] یعنی ضیاء عباس ہاشمی بدایونی جو فی الحال گورنمنٹ گوالیار میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں اور باوجود نباتاتی ہونے کے شعر و ادب کا نہایت گرم ذوق رکھتے ہیں ٭
[3] ملک حبیب احمد خاں جالندھری اسسٹنٹ ملٹری سکرٹری گورنمنٹ بھوپال۔ میرے نہایت عزیز دوست۔ اور زرندان پنجاب میں اپنی تمام خصوصیات کے لحاظ سے ایک بے نظیر مثال ٭
[4] سید نظام الدین شاہ دلگیر۔ اکبرآبادی۔ اڈیٹر نقاد ٭
[5] لطیف الدین احمد اکبرآبادی جو اپنی فطری خصوصیات کے لحاظ سے ہم سب میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں ٭

سے پیدا ہے یقیناً وہ کسی اور ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوسکتی پھر اسی کے ساتھ اگر غور کیا جائے تو زبان اردو میں ایک جدید مصدر کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو باوجود مختصر ہونے کے وسیع معنی کا حامل ہے یعنی "سونک دینا" بہ معنی "صور پھونک دینا"

(۲) شام کا وقت ہے اور سخت انتظار کے بعد تیز ہوا کے ساتھ افق سے سیاہ ابر اٹھتا ہے ...... صاحب جو ایسے مناظر کے غیر معمولی قدر شناس ہیں۔ درویش پریس سے اٹھ کر مجھے بھی مجبور کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ زینت المساجد تک چلوں۔ وہاں پہنچکر مسجد کے دروازے پر ایک خس پوش مکان نظر آیا جو بالکل خالی تھا باوجود ٹیاس اور پوری کوشش کے نہیں معلوم ہوسکا کہ یہاں کون رہتا ہے۔ جب نماز مغرب کے بعد واپس ہوئے تو اس جھونپڑی کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چُنگی کی چوکی ہے اور وہ چُنگی کا چپراسی ہے یہ معلوم کرکے ...... صاحب نے اس علم و حقیقت کو بے اختیارانہ طریق پر زبان سے ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ "اچھا یہ چُنگراسی ہے"! ممکن تھا کہ وہ اس فقرے کی تکمیل یوں کرتے کہ "یہ چنگراسی ہے جیسے چپراسی" لیکن میری بے اختیار ہنسی نے انھیں روک دیا۔ اور زمانہ اس فقرے کی تکمیل سے محروم رہ گیا۔ ہر چند وہ یہ کہہ کر بہت خفیف ہوئے۔ اور انتہائے ندامت سے فوراً اسی وقت کچھ گنگنانے لگے لیکن میں نے انھیں یقین دلایا کہ اس بدحواسی سے انھوں نے زبان پر بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ چپراسی ایک عام لفظ ہے جو ہر محکمہ کے چپراسی کے لئے بولا جاتا ہے لیکن آج سے کم از کم محکمہ چنگی کے چپراسی کے لئے ایک خاص لفظ چنگراسی وضع ہو گیا اور اگر دنیا اسے تسلیم نہ کرے تو اس کی انتہائی بدذوقی ہے۔ ہاں میں یہ لکھنا بھول گیا کہ مسٹر یعقوب بی۔ اے فتحپوری بھی ساتھ تھے۔ وَمَنْ شَاءَ تَصْدِيقَهُ فَلْيَرْجِعْ إِلَيْهِ

(۳) انھیں حضرت کی اور بھی بہت سی بدحواسیاں ہیں۔ مثلاً خُنا کی پداہ (خدا کی پناہ) چُٹنے کی گھوٹ یعنی (گھٹنے کی چوٹ) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ماسٹر پیس (اختراعات فائقہ) وہی تھے جو ابھی درج کر دیئے گئے ہیں

(۴) دہلی کے ایک صاحب جو آمد سخن سے مجبور ہو کر مبتدا و خبر کے فکر سے بے نیاز ہو جاتے ہیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے بحمد اللہ بہت کافی مدد پہنچائی لیکن "چنگراسی" اور "سونک دیا جائے گا پھور" کا جواب ان سے بھی نہ بن آیا۔ ان کی بدحواسی صرف اس نوع کے فقروں تک محدود رہی کو چوں کا چیلہ (چیلوں کا کوچہ) نوم کی ماک (موم کی ناک) درو کا دانت (دانت کا درد) وغیرہ وغیرہ

(۵) آگرہ کے حضرات میں ایک ہستی زیادہ قابل ستائش ہے جس نے ایک دن حد درجہ روانی کلام کے

Taj Tahir Foundation

دوران میں بجائے کانٹا چھری کے "چانٹا کھری" کے استعمال کی جدت فرمائی اور ریل کے "پل" کو "پیل کارل" بنا دیا دوسرے صاحب کی طرف سے بھی متعدد بدحواسیاں ظہور میں آئیں لیکن سب کی سب لطیف تھیں۔ مثلاً ایک دن آپ نہایت لطف سے داغ کا یہ شعر گنگنا رہے تھے ؎

کچھ زہر نہ تھی شراب انگور کیا چیز حرام ہو گئی ہے

پہلی بار تو بالکل صحیح کہہ گئے لیکن دوسری مرتبہ شعر کی لذت سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں کہ

کچھ زہر نہ تھی حرام انگور کیا چیز شراب ہو گئی ہے

(۶) اسی قسم کی بدحواسی ہمارے ایک اور دوست سے سرزد ہوئی جو بھوپال کے ایک ہوٹل میں شام کو چاء پیتے ہوئے بیدل کے اس مصرعہ کو ادا کرنا چاہتے تھے۔ ع

چشم ہر جا کہ پر د مژدہ دیدارے ہست

میں نہیں کہہ سکتا کہ دل ہی دل میں انھوں نے اس کو کس طرح ادا کیا لیکن جب آواز نکلی ہے۔ تو وہاں کی فضا اس مصرعہ سے گونج رہی تھی ۔

پ شم ہر جا کہ چر د مژدہ دیدارے ہست

(۷) بمبئی میں چند احباب کا اجتماع ہو گیا تھا۔ اتفاق سے سب کا ایسی جگہ گذر ہوا جہاں پہلے بڑا میدان تھا لیکن اب وہاں مکانات بن گئے تھے۔ ایک صاحب کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ اور بجائے یہ کہنے کے کر یہاں تو بڑا کھلا وسیع میدان تھا"۔ یوں گہر افشاں ہوئے کہ" ایں یہاں تو بڑا وہلا کھسیع میدان تھا؛

(۸) گوالیار میں ایک دوست کسی شخص کے گرنے کا واقعہ بیان کرنے لگے۔ اصل فقرہ یہ تھا کہ" سیڑھی سے جو پھسلا تو پھسلتا ہی گیا"۔ لیکن وہ ادا یوں ہوا کہ" پھسلی سے جو سیڑھا تو سیڑھتا ہی چلا گیا"۔ +

(۹) بھوپال کے مہمان خانہ میں انبالہ اسلم ہائی اسکول کا ڈیپوٹیشن موجود تھا۔ شام ہو گئی تھی۔ جائے قیام پر جانے کی فکر تھی یہاں کے ایک معزز صاحب نے گاڑی خانہ کو ٹیلیفون دیا کہ گاڑی جلد بھیج دی جائے۔ پندرہ منٹ کے سخت انتظار کے بعد جب ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو یہ صاحب سمجھے کہ گاڑی خانہ سے کوئی شخص اطلاع دے رہا ہے۔ چنانچہ گھبرا کر وہیں دور ہی سے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ" اچھا"۔۔۔۔ +

(۱۰) اس سے زیادہ دلچسپ بدحواسی گوالیار کی ہے جب ایک فوجی کرنل نے ٹیلیفون پر اپنے ماتحت جمعدار سے گفتگو کرنی چاہی۔ جمعدار غریب واقف نہ تھا کہ ٹیلیفون پر کون شخص ہے لیکن جونہی اسے

معلوم ہوا کہ کرنل صاحب ہیں تو اس نے وہیں گھبرا کر آلۂ ٹیلیفون کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور جھٹ، فوجی قاعدے سے سیلوٹ کرتے ہوئے 'جی حضور' کی آواز دو میل کے فاصلہ پر ٹیلیفون ہی کو سنا دی ✤

(۱۱) حضرت خلیقی کی دوکان پر جب ایک صاحب نے نہایت جوش میں اپنے کسی وعدے کی صداقت کا یقین دلاتے ہوئے ہمک کے کمائی اللہ (کلام اللہ) کی قسم کھائی ہے تو میں تنہا نہ تھا۔ ہمارے عزیز دوست مولوی سید حامد حسین بیدل ایڈیٹر مخزن بھی شریک احباب تھے۔ غالباً انھیں یہ تو ضرور یاد ہوگا کہ ابو الکلام کی بجائے عبد الکلام کہہ جانا سہو ہو گیا ہو ✤

فتحپوری

التجائے ناکام

"پیارے تم کب تک میرے ارمانوں کو پامال کرو گے اور میری اُمنگوں کو ٹھکراؤ گے ؟!"

جب وہ یہ کہہ رہی تھی تو چودھویں رات کا چاند اپنا روشن چہرہ نکالے ہوئے تمام دنیا کو منور کر رہا تھا۔ بدلیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نظر بد کے خیال سے اس کے رُخِ روشن پر نقاب ڈالنے کی کوشش میں مصروف تھے لیکن وہ چنچل بار بار ان کی آغوش سے نکل کر دنیا کو مسخر کرنے کے لئے سامنے آجاتا تھا چکور اس پر نثار ہو رہی تھی آسمانی مخلوق نے اس کو حلقہ میں لے لیا تھا بس یہی وقت تھا جب وہ پہلی مرتبہ دل کی ٹیس سے عاجز ہو کر اظہار محبت پر مجبور ہو گئی ✤

ایک باغ کی سرخ روش پر جہاں جوہی کی بھینی بھینی خوشبو دماغ کو معطر کر رہی تھی جہاں فوارہ کی مہین مہین پھوار ایک عجیب فرحت بخش آواز پیدا کر رہی تھی۔ ہاں وہیں وہ ایک پیکر التجا بنی کھڑی تھی۔ اس کی نازک اور مرمری کلائیاں اس کے پیارے کی گردن میں پڑی تھیں اس کی نگاہ اپنے محبوب کے چہرے کی بلائیں لے رہی تھی اس کی آنکھوں کے ساغروں سے گلابی شراب چھلکی پڑتی تھی اس کے ہاتھوں میں ایک تھرتھری پیدا ہوئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا جب اس نے آہستہ سے کہا "میں کیا کہہ رہی ہوں" ہوا سرسرا رہی تھی رشک ماہ کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے وہ اڑنے لگے اور اس کے دل کے مالک کے شانہ پر عاجزانہ لوٹنے لگے اُسنے ارادہ کر لیا کہ اسکے پاؤں پر گر پڑے اور اسوقت تک نہ چھوڑے جبتک اس سے اقرار نہ کرالے اُسنے ہاتھ ڈھیلے ہی کئے تھے کہ وہ بجلی کی طرح یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا "دیکھو ہوش میں آؤ" وہ بجائے پاؤں کے اسکے نقش پا پر گر پڑی۔ روئی اور روتی رہی ✤ ا راز

ولیعہد فرانس کی موت

فرانس کا ننھا ولیعہد بیمار ہے اور بستر مرگ پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ ملک کے تمام کلیساؤں میں شمعیں روشن ہیں اور شہزادے کی صحتیابی کیلئے دعائیں کی جا رہی ہیں شہر کے گلی کوچوں میں خاموشی اور سناٹا طاری ہے گھنٹوں کا بجانا موقوف کر دیا گیا ہے۔ گاڑیاں قدم قدم چلتی ہیں محل کے گرد شہر کے لوگ جمع ہیں اور لوہے کے جنگلوں میں سے حاجبان شاہی کو جو سنہری وردیاں پہنے آہستہ آہستہ ٹہلتے اور ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے پھرتے ہیں متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں +

ایوان شاہی میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ملازمان بارگاہ عالی سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر جلدی جلدی چڑھتے اترتے ہیں۔ دالانوں میں درباریوں کا ہجوم جمع ہے جو ایک دوسرے سے دبی زبان میں خبریں دریافت کر رہے ہیں۔ فراخ زینوں پر حریان حرم کی مغموم حسرتیں آبدیدہ نگاہوں سے ایک دوسرے کے منہ کو تک تک کر جویائے خیریت ہیں اور چھوٹے چھوٹے اطلسی پھولوں والے رومالوں میں گرم گرم آنسو خشک کر رہی ہیں۔ صدر دالان میں حاذق اطبا کا ایک بڑا مجمع موجود ہے اور کھڑکیوں میں سے ان کی لمبی لمبی مفتخر پوشاکیں اور مخصوص وضع کی ٹوپیاں ہلتی اور چمکتی نظر آ رہی ہیں۔ دالان کے دروازے کے باہر ولیعہد کا اتالیق اور اسپ سوار پہرہ داروں کی طرح ایک جانب سے دوسری جانب بےچینی سے ٹہل رہے ہیں اور اطبا کے فیصلہ کے منتظر ہیں اصطبل سے ولیعہد کی سواری کے گھوڑے کے ہنہنانے کی پرحسرت آواز آتی ہے جو اپنے تھان پر سر نیوڑھائے کھڑا ہے لیکن شاہ فرانس اس وقت کہاں ہے؟ +

بادشاہوں کے دلی جذبات ہر کس و ناکس کے لئے تماشہ نہیں بن سکتے۔ اس لئے بادشاہ سلامت محل کے ایک کونے میں تنہا پڑے ہیں۔ مگر ملکہ کی حالت دگرگوں ہے وہ ننھے ولیعہد کے سرہانے تصویر غم بنی بیٹھی ہے اس کا خوبصورت چہرہ مصیبت کا مرقع ہے اور اس کے آنسو اس کے وقار اور خودداری کو شکست دے رہے ہیں +

ننھا ولیعہد ایک مسہری پر پڑا ہے جس کے پردے لیس دار ہیں اور جس پر جھالریں لٹک رہی ہیں۔ اس کے چہرے کا رنگ تکیوں سے زیادہ سفید ہے اور آنکھیں بند ہیں کہیں اس کی آنکھ جھپک تو نہیں گئی؟ نہیں وہ دیکھو وہ اپنی ماں کی طرف مڑتا ہے اور اسے اشکبار دیکھ کر کہتا ہے۔

"پیاری اماں آپ کیوں رو رہی ہیں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ میں مرجاؤں گا؟"

Taj Tahir Foundation

ملکہ جواب دینے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر شدتِ غم سے اس کی آواز حلق میں رُک جاتی ہے۔

"اماں پیاری۔ آپ روتی نہیں ہیں آپ کو یاد نہیں رہا کہ میں فرانس کا ولیعہد ہوں اور فرانس کے ولیعہد یوں نہیں مرا کرتے"

ملکہ کی بیقراریاں ضبط سے باہر ہو جاتی ہیں اور آنسوؤں کا ایک طوفان آنکھوں سے بہ نکلتا ہے۔ ولیعہد کچھ متفکر ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں موت کے فرشتے کے ساتھ نہ جاؤں گا۔ دیکھئے میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں کہ اسے یہاں آنے سے روک دیا جائے۔ حکم دو کہ چالیس بہادر جوان ہمارے پلنگ کے گرد پہرے پر کھڑے ہو جائیں اور سو بڑی توپیں ہمارے کمرے کی کھڑکیوں کے نیچے لگا دی جائیں اُن کے فلیتے ہر وقت تیار رہیں۔ اگر ملک الموت نزدیک آئے تو اسی کو موت کا شکار بنا دیا جائے۔" شہزادے کو خوش کرنے کیلئے ملکہ اشارہ کرتی ہے پل بھر میں محل کے باہر توپوں کے کھینچ کر لائے جانے کی آواز سنائی دیتی ہے اور چالیس جوان تلواریں سونت کر ولیعہد کے کمرے میں آتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ سب کے سب بہادر اور تجربہ کار سپاہی ہیں۔ انھیں دیکھ کر ننھا ولی عہد خوشی سے تالیاں بجاتا ہے اور ان میں سے ایک کو پہچان کر اسے بلاتا ہے۔ "لورین! لورین!!"

سپاہی پلنگ کے قریب آتا ہے "لورین" مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ ذرا مجھے اپنی بڑی تلوار تو دکھاؤ۔ اگر موت کا فرشتہ مجھے لے جانے کے لئے آیا تو تم اسے قتل کر دو گے نا؟

"بیشک حضور" اور دو بڑے بڑے گرم آنسو اس کے رخساروں پر سے بہ کر گر پڑتے ہیں۔

اتنے میں پادری صاحب مسہری کی جانب بڑھتے ہیں اور ایک ننھی سی صلیب ولیعہد کو دکھا کر اس کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ ننھا ولیعہد بڑی حیرت سے ان کی باتیں سنتا ہے۔ اور ذرا دیر بعد ان کی بات کاٹ کر کہتا ہے۔

"پادری صاحب۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں لیکن آپ تو بتائیں اگر میں اپنے چھوٹے دوست بیبچو کو بہت سا روپیہ دے دوں تو کیا میری جگہ وہ نہیں مر سکتا؟"

پادری صاحب اسی طرح اپنی باتیں جاری رکھتے ہیں اور ولیعہد کی حیرت بڑھتی جاتی ہے جب پادری صاحب کی تقریر ختم ہوتی ہے تو ولیعہد گہرا سانس لیکر جواب دیتا ہے "پادری صاحب آپکی باتیں بہت غمگین کرنے والی ہیں لیکن اس بات سے مجھے تسکین ہوتی ہے کہ اور ستاروں کی دنیا میں بھی میرا درجہ فرانس کے ولیعہد ہی کا ہوگا مجھے معلوم ہے اللہ میاں میرے بڑے بھائی ہیں اور وہ ضرور میری شان کے مطابق میری مہمان نوازی کریں گے۔" پھر ماں کی طرف مڑ کر کہتا ہے۔

"اماں جان میری سب سے قیمتی پوشاک منگوائیے میرا سفید ریشم کا کوٹ اور مخملی سلیپر۔ میں چاہتا ہوں کہ فرشتوں کے سامنے عمدہ نفیس لباس میں جاؤں اور جب بہشت میں داخل ہوں تو میرا ملبوس فرانس کے ولی عہد کی شان کے مطابق ہو۔"

تیسری بار پادری صاحب پھر ولی عہد کی طرف بڑھتے ہیں اور بہت دیر تک دبی زبان میں تقریر کرتے رہتے ہیں۔ دوران تقریر میں شہزادہ برہم ہو کر کہتا ہے۔

"واہ! تو پھر فرانس کا ولی عہد ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!" یہ کہکر ننھا ولی عہد دیوار کی طرف منہ موڑ لیتا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔

(ظفر اللہ)

صہبائے گرامی

(از خمخانہ نظیریِ ہند استاذی مولانا گرامی مدظلہ العالی)

ز ذوقِ بیخودی از من مپرس تا چندست
کہ سینہ چاکِ نظرہائے فتنہ پیوندست

رُخ تو عیدِ نظرہاست چند زیرِ نقاب
درآ بجلوہ کہ یک شہر آرزومندست

تو آرزوئے دلِ من زمن چہ مے پرسی
ز دل بپرس کہ چونست و آرزو چندست

وصال گر ہمہ عمرست عمرِ یک نفس ست
فراق گر سرِ موئیست کوہ الوندست

قدح تو با دگراں میزنی و من مُردم
ز وعدہائے دروغے کہ راست مانندست

تو مفت از کفِ من بردۂ چہ میدانی
کہ قدرِ گوہرِ دل چیست قیمتش چندست

چہ کہنہ رندِ نظربازم و ندانستم
کہ در نگاہ و تغافل بہم چہ پیوندست

خدنگِ آں نگہِ ناز در ازل خوردم
ہنوز برلبِ زخمِ جگر شکرخندست

عتابِ غمزہ بلا در بلا بہم چیدست
کتابِ صبر ورق در ورق پراگندست

بسے بگشتم و جز ملکِ عشق کم دیدم
ولائیتے کہ دراں بندہ بے خداوندست

زہم دو یکدلِ دیرینہ بگسلند آخر
خبر دہید کہ در جسم و جاں چہ پیوندست

بلاکشاں ز گرامی خبر کہ می آرد
اجل گرفتہ بزنجیرِ بیکسی بندست

خالدۂ خانم ادیبۂ ترکی

(از ابو رشید عبدالمجید خان سالک)

سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں یہ امر خلاف قانون تصور کیا جاتا تھا کہ کسی ترک لڑکی کو غیر مذہب درسگاہ میں تعلیم دلائی جائے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ خالص ترکی مدارس میں تعلیم نسواں کا انتظام نہایت ناکافی اور بے قاعدہ تھا چونکہ خالدہ خانم کی طبیعت میں خدائے تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت و فراست اور عجیب و غریب دماغی قابلیت ودیعت کر رکھی تھی۔ اس لیئے ان کے روشن خیال باپ نے جو سلطان المعظم کے شعبہ خزانہ عامرہ کا سکرٹری تھے یہی مناسب سمجھا کہ خواہ کچھ بھی ہو خالدہ خانم کو اعلیٰ تعلیم ضرور دلائی جائے۔ چنانچہ انھوں نے حضور سلطان المعظم سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ خالدہ خانم قسطنطنیہ کے امریکن مدرسۂ نسواں میں داخل کردی جائے۔ بہت سی قیود و شرائط کے بعد اجازت تو مل گئی لیکن خالدہ کے والد کو اپنی پیاری بچی کی تعلیم و تربیت پر اپنی آیندہ ترقی قربان کردینی پڑی +

خالدہ نے پندرہ سال کی عمر میں ایک امریکن مصنف جیکب ایبٹ کی ایک پرانی کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب حقوق و فرائض مادری کے موضوع پر لکھی گئی تھی خالدہ نے اس کا ترجمہ ایسے دلآویز اور سلیس انداز میں کیا کہ اُمرا و شرفا کے طبقے میں خالدہ کی ادبی ہونہاری کا شہرہ عام ہوگیا اور حضرت سلطان المعظم نے خالدہ کو اپنے حضور میں طلب فرما کر ایک تمغہ عطا فرمایا۔ روشن خیال باپ کو بیٹی کی علمی شہرت پر جس قدر ناز اور فخر ہوتا بجا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کتاب کی ایک ہزار جلدیں چھپوا کر ترکی سپاہیوں کی بیبیوں میں تقسیم کیں +

سترہ سال کی عمر میں اگرچہ خالدہ تمام مضامین مثلاً ادب: تاریخ فلکیات وغیرہ میں ماہر ہوچکی تھی لیکن علم ہندسہ یعنی جیومٹری میں کمزور تھی۔ کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ادب و انشا سے دلچسپی رکھنے والا دماغ ریاضی کی خشکی سے اکثر بیگانہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ باپ نے قسطنطنیہ کی شاہی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو خالدہ کا اتالیق مقرر کیا تاکہ اسے جیومٹری کے مضمون میں خاص طور پر محنت کرائے۔

۱۹۰۱ء میں خالدہ نے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور تمام ٹرکی کے طول وعرض میں یہ واقعہ حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھا گیا۔ چند دنوں کے بعد اس اتالیق پروفیسر سے خالدہ کی شادی ہوگئی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں پروفیسر مرگیا اور خالدہ اپنے ملک وملت کی خدمت کے لئے ازسرنو کمربستہ ہوگئی ۔

خالدہ خانم چھریرے بدن کی نازک اور حسین خاتون ہیں۔ خوبصورت کھچے ہوئے ابرو۔ بڑی بڑی میگوں آنکھیں۔ چہرے کے نازک ولطیف خدوخال کے تناسب سے کسی قدر بڑی معلوم ہوتی ہیں پتلے پتلے سُرخ لب۔ چھوٹا سا دہن جوان کے جذبات واحساسات لطیفہ کا مظہر ہے۔ یہ ترکوں کے حسن کی خصوصیات ہیں اور سب خالدہ خانم میں موجود ہیں لمبے لمبے سُرخ سنہری بال ہیں جس وقت محترمہ اپنے چہرے پر سے باریک ریشمین نقاب اٹھا لیتی ہیں تو وہ بال کسی قدر نظر آجاتے ہیں۔ ترکوں کے بال بالعموم سیاہ ہوتے ہیں لیکن یہ بال خالدہ نے اپنی والدہ سے ترکہ میں پائے ہیں جو نسلاً یہودن تھیں۔ اور بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں ۔

خالدہ خانم کا اصلی حسن وجمال یہ ہے کہ وہ اظہار خیالات کے وقت جذبہ اور احساس میں سراسر ڈوب جاتی ہیں۔ آپ کی زبردست قوت ارادی اور شخصیت اس قدر پُررعب اور موثر ہے کہ ہر شخص کو آپ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہی بن پڑتی ہے۔ آپ کا ایک امتیاز خصوصی یہ ہے کہ آپ کسی موقع پر ممتاز و نمایاں نظر آنا نہیں چاہتیں۔ اوضاع و اطوار میں نہایت خاموش طبع اور بے حد متین ہیں۔ لباس میں ہلکے اور ایک جیسے رنگ پسند کرتی ہیں۔ مذاق سلیم اور حیثیت عالی رکھنے والی عورتیں بالعموم سادگی پسند ہوتی ہیں لیکن ان کی یہ سادگی بھی مسرفانہ ہوتی ہے۔ یہی حال خالدہ خانم کا ہے۔ آپ ایسا لباس پہنتی ہیں جو بظاہر سیدھا سادہ لیکن فی الحقیقت قیمتی ہوتا ہے ۔

ہندوستانی لڑکیاں چونکہ صحیح اصول کے ماتحت تعلیم نہیں پاتیں۔ اس لئے ان کی تحریر وتقریر حرکات وسکنات میں کچھ مردانہ پن سا آجاتا ہے۔ لیکن خالدہ خانم کا یہ حال نہیں۔ وہ اپنی ہربات میں عورت ہیں اور ان کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک سطر ایک ایک حرکت میں نسوانیت کی دلفریبیاں اور نزاکتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں ۔

جب ٹرکی میں انقلاب کی ہوائیں چلنے لگیں اور عبدالحمید خان کی شخصی حکومت کے پرزے فضائے آسمانی

میں اڑنے لگے تو تمام قلمرو عثمانیہ میں اخباروں اور کتابوں کی بھرمار ہونے لگی۔ اس زمانے میں خالدہ خانم نے ایک ولولہ انگیز نظم لکھی جس میں یہ خیال باندھا گیا تھا کہ ترکوں کی موجودہ سلطنت اور خلافت حاضرہ کے بانی عثمان کی روح ترکی فوج کے چوتھے دستے کو خطاب کر رہی ہے۔ یہ فوج کا چوتھا دستہ ہی تھا جس نے انقلاب میں نوجوانان ترکی کا ساتھ دیا۔ اور آئینی سلطنت قائم کرنے میں طلعت۔ انور اور جمال کی امداد و اعانت کی۔ چونکہ اس نظم میں وہی جذبات وخیالات ظاہر کئے گئے تھے جو اس زمانے میں تمام ترکی نوجوانوں کے دلوں میں لہریں لے رہے تھے اس لئے خالدہ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا اور ہر طرف سے اس قومی شاعرہ کی حرارت ایمانی پر تحسین و آفرین کے پھول برسنے لگے۔

شادی کے زمانے میں حرم کی چار دیواری کے اندر بھی خالدہ ادب و انشا کے شغل سے غافل نہ تھی چنانچہ اس نے متعدد ناول لکھ رکھے تھے۔ جب اخباروں اور کتابوں کے شائع ہونے کا زمانہ آیا تو وہ ناول ترکی کے مشہور روزانہ و ماہوار اخباروں اور رسالوں میں بالاقساط شائع ہونے لگے۔ ترکی نوجوانوں کے سب سے بڑے اخبار "طنین" نے خالدہ کو مضمون نگاری کی خدمات پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ خالدہ نے اس پرچہ میں تحریکات قومی کے متعلق موثر و مدلل مضامین لکھنے شروع کئے۔ بس پھر کیا تھا۔ ادبی قابلیت کا شہرہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب سیاست ملکی میں بھی خالدہ کو ایک بلند حیثیت حاصل ہو گئی اور نہ صرف ترکی میں بلکہ تمام یورپ کے ممالک میں اس خاتون کی غیر معمولی لیاقت اور زور تحریر کے چرچے ہونے لگے۔ یہ شہرت اس حد تک پہنچی کہ انگلستان کی ایک عظیم الشان سیاسی کانفرنس میں تقریر کرنے کے لئے خالدہ خانم خاص طور پر طلب کی گئیں۔ خالدہ نے وہاں ایسی دلآویز اور جوش انگیز تقریر کی کہ بڑے بڑے انگریز ماہرین سیاست نقش بدیوار ہو کر رہ گئے۔ چونکہ امریکہ آزاد خیالی اور جمہوریت کا گھر ہے اور خالدہ خانم نے امریکن استانیوں کے آغوش شفقت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ اس لئے اسے آئینی نظام حکومت سے بے انتہا دلچسپی تھی۔ اس دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی کے اعلیٰ رہنمایان قوم انور پاشا طلعت پاشا اور جمال پاشا کو خالدہ خانم کی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ خالدہ کے مکان پر بہترین سیاست دان جمع ہونے لگے۔ اور اس خاتون کے حیرت انگیز اقتدار کے ماتحت ترکی کے مسئلہ آزادی کی گتھیاں نہایت آسانی سے سلجھنے لگیں۔

آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے والے رہنما اور آزاد نگار اخباروں کے ایڈیٹر ہمیشہ خطرے کی زندگی

بسر کرتے ہیں۔ قید اور پھانسی کا اندیشہ ان کی ہمتوں کو پست نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خالدہ نے بھی انقلاب کی تحریک میں حصہ لے کر اپنے لئے بہت سے خطرات پیدا کر لئے انقلاب کے ایک سال بعد عبدالحمید خاں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت از سر نو حاصل کرنے کے لئے اچانک کوشش شروع کر دی اور دو سو فوجی افسروں اور تین سو دیگر ملکی عہدے داروں اور انقلاب پسندوں کو پھانسی پر لٹکا دینے کا ارادہ کر کے ان کی فہرستیں تیار کیں۔ ان فہرستوں میں دو عورتوں کے نام بھی مندرج تھے جن میں سے ایک خالدہ خانم تھیں۔ اس وقت ترکی میں خوف و دہشت کا زمانہ طاری تھا۔ نوجوانان ترکی کے اخبار "طنین" کے دفتر کو عبدالحمید خاں کے طرفدار سپاہیوں نے تباہ و برباد کر دیا اور تمام مضامین اور دیگر تحریروں کو آگ لگا دی ۔

خالدہ خانم جان بچانے کی کوشش میں تدبیریں کرنے لگیں۔ اپریل ۱۹۰۹ء میں وہ اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر امریکن کالج میں پہنچیں اور کالج کے کارپردازوں سے کہا کہ میرے ان دو بچوں کی حفاظت کرو جب خطرے کا زمانہ گذر جائے گا تو میں ان کو لے جاؤں گی۔ چنانچہ کالج والوں نے خالدہ کے بچوں کو نہایت محبت و شفقت سے اپنے پاس رکھ لیا اور خالدہ اپنے چند خیرخواہوں کی مدد سے مصر کو بھاگ گئیں ۔

کچھ مدت کے بعد جب خوف و دہشت کے بادل پھٹ گئے، ترکی نوجوانوں کی عملداری نہایت انتظام سے قائم ہو گئی اور ترکی کا مطلق العنان بادشاہ عبدالحمید خان نہایت ذلت اور کس مپرسی کی حالت میں تخت خلافت پر سے اتار دیا گیا تو خالدہ خانم مصر سے ترکی میں پہنچیں اور از سر نو خلافت اسلامیہ کی خدمت میں مصروف ہو گئیں ۔

عبدالحمید خاں کے عہد میں حریت نسواں کی سخت مٹی خراب ہو رہی تھی اور عورتوں کے حقوق نہایت جابرانہ طور پر پامال کئے جاتے تھے۔ جب ترکوں نے اس عجیب و غریب سلطان کی حکومت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا اور ہر طرف ترقی اور آزادی کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے تو عورتیں بھی قید خانہ حرم سے باہر نکلیں اور اپنی اس حریت کے لئے جدوجہد کرنے لگیں جو مذہب مقدس اسلام نے نہایت فیاضی سے ان کو دے رکھی ہے۔ خالدہ خانم سب سے پہلے اس کام میں سرگرمی سے مصروف ہوئیں بیسیوں نسوانی انجمنوں کی بنیاد ڈالی اور عورتوں کے تعلیمی اور معاشرتی حقوق کے لئے روز افزوں کوششیں کرنے لگیں بہت سے نسوانی اخبار جاری ہو گئے اور ان کی اشاعت روز بروز بڑھنے لگی۔ ان اخباروں میں عورتوں کے ملکی، تمدنی اور تعلیمی مسائل پر نہایت زور و شور سے بحث کی جاتی تھی اور عام قومی اخبار حریت نسواں کی تائید میں

لمبے لمبے مضامین لکھتے تھے۔

اس دوران میں ترکی کے ملکی حالات پھر بگڑنے لگے ملک میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں جن کے درمیان کشمکش اور اختلاف رونما ہونے لگا۔ بیرونی طاقتوں نے ترکوں کی اس باہمی مخالفت سے فائدہ اٹھانا چاہا چنانچہ ۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ بلقان کی آگ کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ اگرچہ بظاہر اس جنگ کا مستقبل خوفناک نظر آتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بلقان کی ریاستوں کا اس طرح جمع ہو کر ترکی پر چڑھ آنا ترکوں کے لئے باعث رحمت ہو گیا۔ انھوں نے اپنی باہمی عداوتوں کو بالائے طاق رکھا سب ایک ہو کر اپنے ملک کو بچانے کی کوشش میں سرگرم ہو گئے اور حب وطن کا جوش ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا ترکوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ عورتوں نے بھی قومی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا شہزادی نعمت خانم کی صدارت میں "انجمن ہلال احمر" قائم کی گئی اور ترک عورتیں بھی دیگر ممالک یورپ کی خواتین کی طرح میدانوں اور ہسپتالوں میں مجاہدین اسلام کی مرہم پٹی کا مبارک اور مقدس فرض ادا کرنے لگیں۔

قسطنطنیہ کی شاہی یونیورسٹی میں عورتوں کے دو عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے جن میں کم و بیش پانچ چھ ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ ان جلسوں میں قومی اتحاد و اتفاق اور حب وطن کے موضوع پر بہت پُرزور تقریریں کی گئیں۔ خالدہ خانم کا انداز تقریر اور اس کی موثر خطابت تمام یورپ سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ چنانچہ اس خاتون محترم نے بھی ان جلسوں میں ایسی پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریریں کیں کہ ترکی کی تمام دنیائے نسواں کو حرارت قومی سے لبریز کر دیا۔ خالدہ خانم کی ان شاندار تقریروں میں سے ایک تقریر کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

اسلام کی بیٹیو! اور محمد رسول اللہ کے مقدس نام پر کٹ مرنے والوں کی ماؤں بہنوں اور بیبیو! صدہا برس گذرے ایک ترک بادشاہ نے پتھر کی سل پر ایک کتبہ لکھوایا تھا جس کے الفاظ آج بھی اپنے اندر اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ ترکی قوم کو زندگی اور بیداری عطا کریں اس بادشاہ نے لکھا تھا کہ "خدا نے مجھے اس لئے سلطنت کی نعمت سے مالامال فرمایا ہے کہ ترکوں کی عظیم الشان قوم کا نام و نشان زمانے کی گردشوں سے مٹنے نہ پائے۔ میری قوم دولتمند نہیں۔ میں ان غریب لوگوں کا بادشاہ ہوں جن کے پاس کھانے کو ٹکڑا نہیں۔ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا نہیں۔ میں نے ترکی قوم کی بقا کے لئے رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر رکھا ہے۔ میں مرتے دم تک اپنی

Taj Tahir Foundation

قوم کی خدمت میں مصروف رہا ہوں۔ میری زندگی کو اپنے راستے کا چراغ بناؤ کہ کبھی سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ پاؤ"۔

پیاری بہنو! آؤ اپنے قدیم بادشاہ کی اس وصیت کو اپنے لئے دلیل راہ بنائیں اور قوم کے لئے وہ کچھ کر دکھائیں جو اسلام کے قرون اولیٰ میں مسلمان عورتوں نے کر دکھایا تھا ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ حب وطن کے نشے میں چور اور اعلائے اسلام کی شراب سے سرشار ہو جائیں۔

ترکوں کو حب قومی کے جذبے ہی نے دنیا کی عظیم الشان قوم بنایا تھا لیکن آج ہم میں وہ جذبہ باقی نہیں رہا اور نتیجہ یہ ہے کہ ہماری تاریخی شہرت برباد ہو گئی اور ہم دنیا میں ذلت کی زندگی بسر کرنے لگے بلغاریا کے لوگوں کی طرف دیکھو آج سے پچاس سال پہلے یہ لوگ ہمارے گوالے تھے۔ ہمارے لئے دودھ دوہا کرتے تھے لیکن حب قومی نے انھیں کچھ کا کچھ بنا دیا اور آج سارا یورپ اس قوم کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ شرم اور غیرت سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ نوکر تو دنیا میں عزت کی زندگی بسر کریں اور آقا ذلیل و خوار ہو جائیں۔ یہ کس کا قصور ہے۔ یہ ہم عورتوں کا قصور ہے۔ ترکی ماؤں کا فرض تھا کہ اپنے بچوں کے دلوں اور دماغوں میں مادر وطن کی محبت اور اسلام کی عقیدت کا نقش بٹھاتیں اور ان کو قومی عزت کی خاطر کٹ مرنے کی تعلیم دیتیں لیکن ہم نے اپنے فرض سے غفلت کی اور ساری قوم کے حق میں کانٹے بوئے لیکن مایوس و نا امید ہونے کی ضرورت نہیں ابھی کچھ نہیں گیا۔ اگر آج بھی قوم کی خدمت پر آمادہ ہو جاؤ تو بہت کچھ کر سکتی ہو۔

فرانس اور اس کے باشندوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو۔ آج سے چالیس سال پیشتر فرانسیسیوں کو جرمنوں کے ہاتھوں شکست فاش کھانی پڑی اور اپنے علاقے کا بہترین حصہ کھو دینا پڑا لیکن حب قومی کی آگ ان کے دلوں میں برابر مشتعل رہی اور انھوں نے امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ دیا۔ چنانچہ پچیس سال کے عرصے میں اپنے ملک کی کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کرلی اور دنیا کی بہترین قوموں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ دور کیوں جاؤ یونانیوں کی طرف دیکھو۔ یہ لوگ صدہا سال سے ہمارے محکوم رہے آزادی کے نام سے

بھی ناآشنا تھے اور ان کا سب سے بڑا شہر ایک گندے اصطبل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا آج ایتھنز میں جاؤ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وہی اصطبل آج ایسا صاف پاکیزہ اور مہذب شہر ہے کہ استنبول سے پہلو مارتا نظر آتا ہے +

ہم پر کتنی مصیبتیں ٹوٹیں۔ آندھیاں آئیں جھکڑ چلیں۔ طوفان اٹھیں لیکن یاد رکھو کہ ترکی قوم فنا ہونے والی نہیں۔ کیونکہ اس کے گذشتہ کارناموں نے اس کے شاندار مستقبل پر مُہر کر رکھی ہے۔ بلقان کی ریاستیں تو کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ اگر ساری دنیا بھی ہماری مخالف ہو جائے تو ہمت نہ ہارو۔ اور اپنی اُن غریب بہنوں کی مدد کئے جاؤ جو چھوٹے چھوٹے چراغوں کی دُھندلی روشنی میں سوئی تاگا لئے ہوئے بہادران ترکی اور مجاہدین اسلام کے لئے کام کر رہی ہیں +

آؤ۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں اور قومیت کی قربانگاہ پر قسم کھا کر یہ عہد کریں کہ جب تک ہم اپنی قوم اور اپنے پیارے اسلام کی عزت برقرار نہ کر لیں گے اور دنیا کی دوسری قوموں کے مقابل میں اپنی عظمت کو بڑھا چڑھا کر نہ دکھا لیں گے اس وقت تک کسی قسم کی قربانی سے پہلو تہی نہ کریں گے۔ تاکہ جب زندگی کی آخری گھڑی آئے تو ہمارا۔ ایمان سلامت ہو اور ہمارا ضمیر اندر سے پکار پکار کر وہی کچھ کہے جو ہمارے قدیم بادشاہ نے کہا تھا کہ "ہم نے اپنی قوم کے لئے دن کا آرام اور راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی +

خالدہ خانم کی جانفروز تقریر کے ہر فقرے پر اللہ اکبر کے ولولہ انگیز نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور ترک عورتوں کے حسین و جمیل چہرے حب اسلام کے پاکیزہ جذبے سے سرخ ہو رہے تھے۔ تقریر کے خاتمہ پر خالدہ نے اپنے تمام جواہر یعنی ایررنگ۔ اپنی انگشتریاں۔ اپنا بیش قیمت ہار اور کنگن اور اپنی کلائی کی گھڑی غرض تمام زیور اتار کر میز پر رکھ دئیے اور کہا۔

"میرے پاس یہی چند ہزار روپے کا اثاثہ ہے جو آج مجاہدین اسلام کی امداد کے لئے نذر کرتی ہوں قوم اسے قبول فرمائے"

بس پھر کیا تھا پانچ ہزار ترکی خواتین اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنا تمام زیور اتار اتار کر قوم کے لئے دینا شروع کیا کہتے ہیں کہ اس دن خالدہ خانم کی ایک تقریر سے ترکوں کی قومی سرمائے کو لاکھوں پونڈ وصول ہو گئے

جنگ یورپ کے آغاز میں خالدہ خانم نے ایک لائق ترکی ڈاکٹر صالح بک سے شادی کر لی۔ اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ ملک شام میں لڑکیوں کے لیئے صدہا مدارس کھول دیئے اور آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے علاقوں میں بھوکے ننگے یتیموں کے لیئے عالیشان یتیم خانے قائم کر دیئے۔ خود زیادہ تر بیروت میں رہتی تھیں اور وہیں سے دمشق اور دیگر مقامات کے مدارس کی نگرانی کیا کرتی تھیں۔ جنگ کے زمانے میں تعلیم کی اس حیرت انگیز ترقی سے صاف ظاہر ہے کہ ترکی حکومت نے اپنے ملک کا انتظام کس خوبی و خوش اسلوبی سے قائم کیا تھا۔ غازی طلعت پاشا وزیر اعظم ٹرکی نے عہد کر رکھا تھا۔ کہ خالدہ خانم کی کوئی تجویز مسترد نہ کی جائے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس خاتون کا کوئی کام ملک و قوم کی بھلائی اور اسلام کی عزت و عظمت سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ غازی موصوف نے دو گاڑیوں میں صدہا اُستانیاں قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک میں بھیج دیں تاکہ خالدہ خانم ان سے مناسب کام لیں۔

بیروت میں فرانسیسیوں نے ایک عظیم الشان نسوانی کالج قائم کر رکھا تھا۔ جب جنگ چھڑ گئی۔ تو فرانسیسی اس کالج کی خوبصورت عمارت اور اس کا سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خالدہ خانم نے بیروت پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کالج پر قبضہ کیا۔ یہ عمارت ایک نہایت دلکشا پہاڑی پر واقع تھی جہاں سے کوہ لبنان کا خوشنما نظارہ ہر وقت آنکھوں کو فرحت دیتا تھا۔ خالدہ خانم نے جمال پاشا حاکم شام کی مدد سے کالج کے ساز و سامان کو اور بھی زیادہ وسعت دی اور اسے تمام قلمرو عثمانیہ کا بہترین مدرسہ بنا دیا۔ اس مدرسے میں نصاب تعلیم مغربی اصول کے ماتحت تھا اور خالدہ خانم نے اپنی قوم کی ضروریات کے مطابق بہت سی باتوں کو چھوڑ کر کچھ نئی چیزیں بھی نصاب میں داخل کر لی تھیں۔ اس کالج میں اور تمام دیگر مدارس میں مذہبی آزادی اور رواداری کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور مسلمان اور عیسائی لڑکیاں ایک ہی جگہ رہتی۔ ایک ہی جگہ پڑھتی لکھتی اور ایک ہی جگہ ہنستی کھیلتی تھیں تعصب مذہبی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اور سب لڑکیاں آپس میں بہناپے اور سہیلپن سے بسر کرتی تھیں۔

خالدہ خانم کی دو تین بہنیں بھی ایشیا کوچک اور شام میں اشاعت تعلیم کا کام کر رہی تھیں۔ ان سب خواتین کی قابلیت اور سرگرمی نے اس ملک میں عجیب و غریب زندگی کی روح پھونک دی اور حریت نسواں اور تعلیم نسواں کے غلغلے چاروں طرف بلند ہونے لگے۔ چنانچہ پچھلے ہی سال کا ذکر ہے۔ شام کی تاریخ میں پہلی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ سو ہا مسلمان خواتین بیروت کی عورتوں کے لیئے انجمن قائم کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ

کے امریکن کالج میں آکر جمع ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے ایک صنعتی مدرسے کے لئے چندہ جمع کرنے کی غرض سے ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا تو جلسہ گاہ کی گیلری میں کوئی ڈھائی سو خواتین موجود تھیں تین چار سال کی مدت میں تعلیم کا اس قدر وسیع اثر پھیلا دینا صرف خالدہ خانم ہی کا کام تھا +

اپریل ۱۹۱۸ء میں یہ اطلاع عام طور پر مشہور ہو گئی کہ انگریز شام پر حملہ کرنے والے ہیں۔ خالدہ خانم پر اس وقت بہت بڑی ذمہ واری عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے کوئی پچاس ترکی استانیوں کو اسی وقت قسطنطنیہ واپس بھیج دیا۔ اور خود بھی ارادہ کر لیا کہ بیروت کی سکونت چھوڑ کر دارالخلافہ اسلام میں پہنچ جائے لیکن انگریزوں نے موسم خزاں کے آغاز تک شام پر کوئی حملہ نہ کیا اور اس گو مگو کی حالت میں سکولوں۔ اور یتیم خانوں کی حالت نہایت خراب ہو گئی۔ ایشیا کوچک سے روانہ ہوتے وقت خالدہ خانم نے امریکن رلیف سوسائٹی سے استدعا کی کہ آپ لوگ اس علاقے کی مسلمان اور عیسائی عورتوں اور ان کے بچوں کا خیال رکھیں چنانچہ امریکہ والوں نے نہایت شرافت و دیانت سے اس کام کو انجام دیا +

جنگ کے بعد یورپ کی ناانصاف سلطنتوں نے قسطنطنیہ پر اپنا قبضہ جما لیا اور تمام ترکی کے طول و عرض میں غم و غصہ کے جذبات پھیل گئے قسطنطنیہ میں آئے دن ترکوں کے بارونق جلسے منعقد ہونے لگے جنمیں یورپین سلطنتوں کی غیر منصفانہ روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی اور ترکوں سے اپیل کیا جاتا تھا کہ وہ ترکی کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیں۔ انہی دنوں قسطنطنیہ کے گھوڑ دوڑ کے وسیع میدان میں ایک لاکھ ترکی محبان وطن کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ملک کی بہترین ادیب۔ اعلیٰ درجے کی شاعرہ مشہور فسانہ نگار اور ماہر تعلیمات خالدہ خانم نے ایک آتشبار تقریر کی اور ترکوں کو ان الفاظ میں غیرت دلائی +

تم ہمیشہ سے فاتح قوم رہے ہو اور ہمیشہ تمہارا جھنڈا تمام قوموں سے بلند تر نظر آتا رہا ہے

کیا آج تم یہ ذلت چپ چاپ برداشت کرو گے کہ اسلام کے آخری پایہ تخت پر غیر مسلم کا قبضہ ہو اور تمہاری ماؤں۔ بہنوں اور بہو۔ بیٹیوں کی عزت پر حملے کئے جائیں؟ اٹھو اور دنیا کو بتا دو کہ ابھی ترکوں میں جان باقی ہے اور ہماری خون غلامی قبول نہیں کر سکتا!

خالدہ خانم کی تقریر سے تمام قسطنطنیہ میں آگ لگ گئی اور قومی جذبہ پورے زور سے بھڑک اٹھا اُدھر سمرنا پر یونانیوں کے تسلط نے اور بھی جلتی آگ پر تیل چھڑک دیا۔ اگر ایک دو ایسے ہی جلسے اور ہو جاتے تو خدا جانے کیا قیامت بپا ہو جاتی اور قسطنطنیہ میں کتنی خون کی ندیاں بہ جائیں لیکن اتحادیوں نے فوراً اس قسم

کے جلسوں کی ممانعت کردی - اور اس کے بعد آج تک کوئی ایسا جلسہ منعقد نہیں ہوا +

خالدہ خانم کا خیال ہے کہ ٹرکی کو بیرونی ممالک کی امداد کی سخت ضرورت ہے اور چونکہ انھیں امریکہ کی حریت پسندی اور انصاف پر بھروسہ ہے اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ امریکہ والے اس مصیبت میں ٹرکی کی مدد کریں +

ابھی خالدہ خانم قسطنطنیہ ہی میں تھیں کہ اخباروں کے ایک نمایندے نے ان سے ملاقات کی اور مختلف سوالات پوچھے - خالدہ خانم نے جواب میں کہا "ٹرکی کو امن وامان چاہئے زراعتی ترقی چاہئے اور کھوئے ہوئے علاقے چاہئیں جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو مساوی حقوق دئے جائیں گے - ان چیزوں کے علاوہ ترکوں کو تعلیم کی سخت ضرورت ہے" +

اسی اثنا میں غازی مصطفی کمال پاشا نے انگورہ میں عظیم الشان ترکی حکومت قائم کرلی - اور ٹرکی کے بہترین مصنف - انشا پرداز - شاعر - جرنیل - سپاہی - علما اور انتظامی قابلیت کے آدمی اپنے گرد جمع کرلئے - جس وقت غازی موصوف نے وزارت حکومت کا خاکہ کھینچا تو اس میں ایک خالدہ خانم کی کمی نظر آئی سب نے یہی کہا کہ جب تک خالدہ قسطنطنیہ سے انگورہ میں نہ آئیں گی وزارت مکمل نہیں ہوسکتی چنانچہ اسی وقت غازی ممدوح نے ایک جماعت مقرر کردی اور سنا گیا ہے کہ ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز رات کی تاریکی میں پرواز کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا اور اتحادیوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر خالدہ خانم اور ان کے شوہر کو اڑا لے گیا چنانچہ آج کل "خالدہ خدیجہ صلاح خانم ادیب بی - اے" غازی مصطفے کمال کی حکومت میں وزیر تعلیمات کے فرائض انجام دے رہی ہیں +

یورپ کے ملکوں کو یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے عورت کی عزت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور وہ عورت کو "نصف بہتر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن عورت کی عزت یہ نہیں کہ اس کے پاس سے گذرتے ہوئے اپنی ٹوپی اتار کر سلام کردیا جائے - یا گاڑی میں چڑھتے اترتے میں مدد دی جائے - یا کھانے پر کوئی اچھی سی تشتری اس کی طرف بڑھا دی جائے - یا صحبت احباب میں اسکی خوشی و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی خودداری کو اس کی دلجوئی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا جائے - بلکہ عورت کا احترام اس کے حقوق کا احترام ہے -

یورپ عورت کے ساتھ نہایت ذلیل مذاق کر رہا ہے اور اس کو ظاہری و لفظی عزت سے بہلانا چاہتا ہے۔ انگلستان میں عورتوں نے حقوق نیابت حاصل کرنے کے لئے سالہا سال تک جد وجہد کی لیکن اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔

باوجودیکہ انگلستان۔ امریکہ۔ فرانس اور جرمنی کی عورتیں ٹرکی کی خواتین سے زیادہ تعلیم یافتہ معاملہ فہم اور لائق ہیں لیکن اب تک ان مہذب ترین ممالک میں وزارت کا عہدہ ایک عورت کو بھی نصیب نہ ہوا لیکن اسلام تو مرد و عورت کی مساوات کا حامی ہے۔ فرزندان اسلام نے جب دیکھا کہ ایک عورت سیاست میں مردوں کی سی قابلیت رکھتی ہے تو اسے فوراً وزیر حکومت بنا کر حقوق نسواں کے احترام کا عملی ثبوت دیا۔ ترکوں کی قومی حکومت میں وزیر تعلیم کے جلیل القدر عہدے پر خالدہ خانم کا مقرر ہو جانا فی الحقیقت انسانی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ یورپ کے ممالک اپنی تہذیب و شائستگی کے مدعی تو ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا میں صرف ترک ہی ایسی قوم ہے جس کے افراد نے ایک عورت کے حق میں وزارت کے لئے رائے دی ہے ✦

خالدہ خانم نے ترکی۔ انگریزی اور فرانسیسی اخباروں میں بیسیوں معرکۃ الآرا مضامین مشرق قریبہ کی سیاسیات پر لکھے ہیں اور پیچیدہ ترین مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے سلجھایا ہے۔ اس کے علاوہ ادب لطیف میں خالدہ خانم کی تحریریں معجزات ادب اور خوارق انشا کا حکم رکھتی ہیں۔ محترمہ کے متعدد افسانے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں جو حضرات خوش نصیبی سے زبان ترکی جانتے ہیں ان کو چاہئے کہ ان ادبی جواہر پاروں سے اردو کی دکان ادب کو بھی آراستہ کریں۔ جناب سید سجاد حیدر صاحب اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ کاش انہی کا بہار آفریں قلم اردو کی اس بے نظیر خدمت پر آمادہ ہو جائے ✦

سالک

اگر حقیقتاً تہدیہ نیازمند اور جرأت سعی کامیابی مقصود کا ذریعہ ہو سکتی ہے تو ہمیں یقین ہے کہ عنقریب سید سجاد حیدر صاحب "ہندوستان کی رقاصہ" سے بھی اچھا کوئی نمونہ خالدہ خانم کے ادب لطیف کا "مخزن" کو مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ خدا انہیں موجودہ علالت عارضی سے حسن افاقہ دے ✦

(ایڈیٹر)

اُجڑا دیار
اور
اُس کے آثار قدیمہ کے بانی

دلی کو ویران ہوئے ایک زمانہ گذر گیا۔ مگر ابھی تک اس شہر میں بعض ایسی بڑی بڑی سربفلک اور فوجی عمارتیں موجود ہیں جو اپنے بانیوں کی مجسم یادگار متصور تھیں۔

غدر کے بعد کچھ تو استداد زمانہ اور اپنے اصلی مالکوں کی اس وقت کی ناداری کی وجہ سے مسمار اور منہدم ہو گئیں اور کچھ اپنے نئے قابضوں کے لالچ کی وجہ سے ایسی شکل وصورت میں تبدیل کر دی گئیں جو اب پہچانی بھی نہیں جا سکتیں۔ جہاں عالیشان محلسرائے اور حویلیاں تھیں۔ وہاں اب بجائے محلوں کے محلے تعمیر کر دئے گئے۔ چنانچہ انھیں محلوں میں سے چند محلوں کے نام یہ ہیں۔ حویلی شیر افگن۔ حویلی کالے صاحب۔ حویلی عزیز آبادی۔ حویلی نواب وزیر وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے محلے اس قسم کے ہیں۔

بعض کے پھاٹک جو کسی نہ کسی وجہ سے منہدم ہونے سے بچ گئے ہیں اور موجود ہیں۔ وہ بجائے حویلی کے پھاٹک کے نام سے موسوم ہیں۔ چنانچہ ایک محلے کا نام پھاٹک حبش خاں ہے۔ یہ اس قدر مشہور محلہ ہے کہ دلی کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔ مگر شہر بھر میں شاید ہی کوئی شخص ہو جسے حبش خاں کے حالات سے بھی پوری آگاہی ہو۔

پھاٹک حبش خاں کے بانی کے حالات حبش خاں کا اصلی نام سفتاح تھا۔ اصل میں یہ ایک حبشی غلام تھا جو احمد نگر کے نظام شاہی خاندان میں بڑھتے بڑھتے سپہ سالار ہو گیا تھا اور جس وقت شاہ جہان نے سلطنت احمد نگر پر چڑھائی کی ہے تو شیدی مفتاح اُدگیر کے قلعہ کا حاکم تھا۔ اس نے نہایت جراٴت اور بہادری سے شاہجہان کی فوج ظفر موج کا مقابلہ کیا۔ جب قلعہ میں محصور ہو گیا تو جس وقت تک گولہ بارود و دیگر سامان جنگ نے جواب نہ دے دیا۔ شیدی مفتاح برابر ہمت واستقلال سے لڑتا رہا لیکن جب ایک طرف سامان حرب

ہو چکا اور خوراک ختم ہوگئی۔ دوسری طرف کمزوری سے تاب مقاومت نہ رہی تو اس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا جائے +

شیدی مفتاح حسب دستور شاہی قیدی ہو کر زیر حراست کر لیا گیا۔ شاہان مغل مردم شناسی میں بڑے ماہر تھے اور ہمیشہ قابل ترین دشمن کو اپنا دوست بنانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہجہان نے شیدی مفتاح کی بہادری کی تعریف کی اور اس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تو لشکر شاہی میں ملازمت اختیار کرنا چاہے تو تجھکو رہائی دے دی جائے گی۔ شیدی مفتاح نے موقع کو غنیمت جانا چنانچہ وہ حبش خان کے خطاب اور پندرہ سو سوار اور سہ ہزاری منصب سے سرفراز کر دیا گیا +

جس دروازے کا نام آج کل حبش خاں کا پھاٹک ہے وہ شیدی مفتاح کی حویلی کا پہلا دروازہ تھا حبش خان اورنگ زیب کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کی نسل میں سے ایک شخص فولاد خاں نامی محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں دلی کا کوتوال تھا اور نادر کے حملے کے وقت زندہ تھا۔ فولاد خاں نے حبش خاں کے پھاٹک کی مرمت بھی کرائی تھی +

اسی طرح ایک محلے کا نام ہے چھتہ بھوانی شنکر۔ یہ ایک بڑا رفیع الشان دروازہ ہے جس میں ہاتھی مع عماری کے بآسانی گزر سکتا ہے۔ اصل میں یہ دروازہ اس عمارت کا دروازہ تھا جو کچہری بھوانی شنکر کہلاتی تھی +

بھوانی شنکر کے حالات

بھوانی شنکر کے حالات بھی خالی از دلچسپی نہیں منشی صاحب موصوف ذات کے کھتری تھے۔ تحریر و تقریر میں بہت ہشیار تھے۔ مروجہ فارسی کے خوب ماہر تھے +

مہاراج سیندھیا کا اقتدار شاہ عالم کے دربار میں اس قدر بڑھ گیا تھا کہ نظام حیدرآباد۔ اور نواب اودھ جیسے مقتدر دربار بھی اس مرہٹے سردار سے خائف رہتے تھے۔ سیندھیا کا قیام زیادہ تر دلی میں رہا کرتا تھا اور دلی کے اکثر لائق اشخاص سیندھیا کی ملازمت میں چلے گئے تھے منشی بھوانی شنکر بھی سرکار گوالیار میں بخشی کے معزز عہدے پر ممتاز ہو گئے۔ تقدیر سے یہ وہ زمانہ تھا کہ دربار دہلی میں سیندھیا کا طوطی بول رہا تھا۔ اور شہر میں مرہٹوں کی عملداری تھی بھوانی شنکر کو یہ دور راس آیا۔ اوج قسمت حصول عروج کے لئے زینہ تو ڈھونڈھ ہی رہا تھا۔ مساعدت نے لالہ صاحب کو شاہی ملازمت میں داخل کرا دیا اور رفتہ رفتہ پولٹیکل معاملات میں دخیل ہو گئے +

Taj Tahir Foundation

جب انگریزوں نے دلّی کا محاصرہ کیا اور مرہٹوں کو وہاں سے بے دخل کرنا چاہا تو بھوانی شنکر نے مرہٹوں کے خلاف جاسوسی کرنی شروع کی جس کے صلہ میں فتح کے بعد انگریزوں نے بھوانی شنکر کو ایک ممتاز عہدے پر سرفراز کر دیا۔ چنانچہ اس وقت تک وہ حویلی بھوانی شنکر گکھری کے نام سے مشہور ہے یہ عمارت چاندنی چوک کے نکڑ پر سڑک کے اس گھماؤ پر واقع ہے جو کھاری باولی اور مسجد فتح پوری کی طرف ہے اور ایک ہوٹل کا کام دیتی ہے۔ گو اس کی ظاہری شان و شوکت تو اب بھی اس کے مالک کے رتبے کا پتہ دیتی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ عمارت نمک حرام کی حویلی کے نام سے مشہور ہے ٭

بھوانی شنکر کو نمک حرام کا خطاب اہل ملک نے اس کی جاسوسی کی بنا پر دیا۔ اور یہ نام اب اس قدر شہرت پکڑ گیا کہ بھوانی شنکر نے انگریزوں کے پاس شکایت کی کہ اس کا تدارک کرنا چاہیے۔ دلی پر اُس وقت انگریزوں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ سرکار انگریزی کی طرف سے ایک اعلان شایع ہوا کہ جو شخص منشی بھوانی شنکر کو نمکحرام یا ان کی حویلی کو نمکحرام کی حویلی کہے گا گرفتار کیا جائے گا۔ اس اعلان کا اس وقت کیا اثر ہوا۔ اس کا تو تاریخ میں کوئی ذکر نہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ بھوانی شنکر کی حویلی آج تک نمک حرام کی حویلی کہلاتی ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

کوچہ گھاسی رام نمکحرام کی مشہور و معروف حویلی سے ذرا آگے بڑھ کر چاندنی چوک میں ایک محلہ ہے جو کوچہ گھاسی رام کہلاتا ہے۔ گھاسی رام کی نسبت ایک لطیفہ مشہور ہے جو نہایت دلچسپ ہے ٭

گھاسی رام بادشاہ دہلی کے دربار میں جوتشی تھا اور طرح طرح کی پیشین گوئیاں کر کے درباریوں کو خوش کیا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے سوال کیا کہ بھلا پنڈت جی اپنے حساب سے یہ تو معلوم کرو کہ آج میں کس دروازے سے شہر کے اندر داخل ہوں گا۔ پنڈت جی نے اپنے دل میں وچار کیا کہ اگر میں نے کسی خاص دروازے کا نام بتا دیا تو ضرور ہے کہ میری بات رد کرنے کو بادشاہ سلامت بقصد کسی دوسرے دروازے سے شہر میں داخل ہوں گے۔ اس لئے دست بستہ عرض کی کہ جہاں پناہ اس دروازے کا نام میں ایک کاغذ کے پرزے پر لکھ کر رکھے دیتا ہوں۔ اس کو اس وقت تک کوئی نہ بانچے جب تک جہاں پناہ شہر میں داخل نہ ہو لیں جب جہاں پناہ شہر میں داخل ہو لیں اس وقت اس کاغذ کو پڑھا جائے۔ بادشاہ راضی ہو گئے۔ پنڈت جی بڑے تجربہ کار تھے۔ سوچا کہ بادشاہ شاید کسی موجودہ دروازے کو استعمال نہ کریں اور کسی نئے دروازے سے داخل ہوں چنانچہ پنڈت جی نے کاغذ پر لکھ دیا کہ آج بادشاہ ایک نئے دروازے سے داخل ہوں گے اُدھر

Taj Tahir Foundation

بادشاہ نے سوچا کہ آج پنڈت جی کو نیچا دکھاؤ۔ چنانچہ اجمیری دروازے اور لاہوری دروازے کے بیچوں بیچ میں سے فصیل شہر کو ایک جگہ سے سمار کرایا گیا اور اس راستے سے بادشاہ شہر میں داخل ہوئے۔ اسی دروازے کا نام کھڑکی فراشخانہ رکھا گیا۔ جب بادشاہ نے پنڈت جی کی پیشین گوئی پڑھی تو عش عش کرنے لگے اور خوش ہو کر پنڈت جی کو ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس پر پنڈت جی نے ایک مکان تعمیر کرایا اس مکان کا تو اب نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ مگر جہاں وہ مکان تھا۔ وہاں ایک محلہ آباد ہے۔ اور اس محلے کا نام اب تک پنڈت جی کے نام پر کوچہ گھاسی رام ہے + (باقی آئندہ)

(مشتاق احمد زاہدی دہلوی سابق پروفیسر تاریخ بھاولپور کالج)

عیدِ غربت

(از سید اخلاق حسین صاحب اخلاق دہلوی مقیم برما)

گر ہلال عید غربت میں نظر آیا تو کیا
عید کا پیغام یہ پیغامبر لایا تو کیا

عید اُن کی ہے جو ہیں اپنے وطن میں بامراد
عید اُن کی ہے کہ جن کے دل کے ہیں ارماں شاد

مجھ سے بدقسمت کو ہو کیونکر مسرت عید کی
کم محرم نے نہیں غربت میں صورت عید کی

کیا خوشی ہو عید کی قید قفس میں ہمنوا
کر دیا جورِ فلک نے ہائے گلشن سے جدا

رکھتی ہے یادِ وطن ہر وقت دل کو بیقرار
مضطرب ہوں ہجر میں احباب کے سیماب وار

شامِ غربت خون کے آنسو رُلاتی ہے مجھے
اور قسمت دیکھئے کیا کیا دکھاتی ہے مجھے

دم بدم اپنے عزیزان وطن سے دور ہوں
عیش سے ناشاد ہوں محروم ہوں رنجور ہوں

نے قفس میں قید ہوں میں نے اسیر دام ہوں
ہاں مری ناکامیاں شاہد ہیں میں ناکام ہوں

قوت پرواز ہے لیکن چمن سے دور ہوں
اپنی بے بال و پری سے کس قدر مجبور ہوں

یا الٰہی دستگیر بیکساں ہے تیری ذات
حامی و غمخوار دور افتادگاں ہے تیری ذات

بس تجھی پر عالم غربت میں پڑتی ہے نظر
اے مرے مولیٰ مری امداد کر۔ امداد کر

Taj Tahir Foundation

جذبات لطیف

(از نتیجۂ افکار۔ خاتون محترم ز۔ رخ۔ ش صاحبہ آف علی گڑھ)

جہان فقر و گدائی کی شہریار ہوں میں
فلک ہے گرد نظر میں وہ خاکسار ہوں میں

نگاہِ لطف کی یارب امیدوار ہوں میں
کرم۔ کرم۔ ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

نہاں ہے دل میں مرے سوز شمع و پروانہ۔
تعلق گل و بلبل کی رازدار ہوں میں

جو میں نے بزم میں کی شرح راز قربانی
اثر سخن سے یہ بولا "ترے نثار ہوں میں"

مکین عرش پکارا کہ "خانہ خانۂ تست"
کہا جو فکر نے " رفعت کی خواستگار ہوں میں"

جدا ہے شیخ ریائی سے اپنی شان گناہ
کہ منفعل ہوں۔ مقر ہوں گناہگار ہوں میں

مقر جبر ہیں طفلی و شیب مجبوراً
مگر ہے شور شباب "اہل اختیار ہوں میں"

جو دیکھ لے دل حاسد کی آگ اے زرخ!
زبان شعلہ ہے دوزخ کہے شرار ہوں میں"

اکلوتے بیٹے کی موت

(عمر رسیدہ ماں کی آنکھوں کے سامنے)

اے میرے لال بات تو کر۔ خامشی ہے کیوں؟ کیوں لال ہوگئی ہے زباں ہچکی ہے کیوں؟
تاب و تواں کہاں گئی۔ ناطاقتی ہے کیوں؟ ٹھنڈا ہے جسم کس لئے۔ رنگت اڑی ہے کیوں؟

بیہوش تو ہے آہ! میں وقفِ ملال ہوں
تجھ کو نڈھال دیکھ کے میں بھی نڈھال ہوں

کیا جانے نیند کونسا جادو چلا گئی بس جاگنا قسم ہوا۔ ایسا سلا گئی
ہاں ہاں یہ بھید تاڑ گئی۔ رمز پا گئی غفلت کی آڑ لے کے اجل پاس آگئی

بیٹھی ہوں میں سرہانے مجھے بے قرار دیکھ
نورِ نظر خدا کے لئے ایک بار دیکھ

کیا ایڑیاں رگڑتا ہے۔ کیسا تنگ حال ہے ان ہچکیوں سے جان کا بچنا محال ہے
اٹھارھویں برس میں ابھی میرا لال ہے۔ اے موت رحم کر کہ بہت خرد سال ہے

وہ سانس اکھڑ گئی وہ ڈھلا نیل۔ ہائے موت
ننھی سی جان پر ہوئی نازل بلائے موت

اے وائے آج باغِ تمنا اجڑ گیا سینچا تھا خونِ دل سے جو پودا اکھڑ گیا
بن بن کے آرزوؤں کا نقشہ بگڑ گیا بیدل میں رہ گئی کہ دل آرا بچھڑ گیا

آنکھوں کے آگے آنکھ کے تارے کی لاش ہے
دل لخت لخت ہے تو جگر پاش پاش ہے

میرے سیاہ خانے کا گل ہوگیا چراغ لبریز بادۂ سرور ہے دل اک تھی ایاغ

سینہ ہے زخم زخم کلیجہ ہے داغ داغ   مسکن ہوا جنوں کا مرا خانۂ دماغ
لخت جگر کا ساتھ ہمیشہ کو چھٹ گیا
ڈاکا پڑا اجل کا تو گھر بار لٹ گیا

تھی آرزو کہ بیٹے کو دولھا بناؤں گی   پیاری سی اک دلھن سے گھر اس کا بساؤں گی
کہتی تھی موت ہیں ہی دلھن بن کے آؤں گی   لے کر بلائیں اس کے گلے سے لگاؤں گی
ہلنے نہ دوں گی اس کو جگہ سے یہ مان لو
ملنے نہ دوں گی اس کو کسی سے یہ جان لو

ڈھانکو ابھی نہ چہرۂ یوسف جمال کو   جی بھر کے دیکھنے دو مجھے اپنے لال کو
زانو و سر کو پیٹنے دو خستہ حال کو   تلقین کرو نہ صبر کی مجھ پیرزال کو
منہ اس جہاں سے موڑ چلا ہائے ہائے
بڑھیا کو کس پہ چھوڑ چلا۔ ہائے ہائے

لو آ گئے جنازہ اٹھانے کو اقربا   کرتے ہیں آہ پیر و جواں نالہ و بکا
شق ہو رہے ہیں قلب و جگر وا مصیبتا   وہ درد اٹھا، وہ منہ سے کلیجہ نکل پڑا
مینہ خون کا برستا ہے گلگوں زمین ہے
منظر ہے حشر خیز۔ قیامت کا سین ہے

لوگو وہ میرا موتیوں والا کدھر گیا   بے داغ باغ حسن کا لالا کدھر گیا
اندھیر ہے وہ گھر کا اجالا کدھر گیا   ہے ہے وہ میری گود کا پالا کدھر گیا
تنہا نہ میرے لال کو رکھ آئیں قبر میں
بچے کے ساتھ ماں کو بھی دفنائیں قبر میں

غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہائے، کیا کروں   چولھے میں جائے ہوش مجھے ہو گیا جنوں
اب رونے پیٹنے سے نہیں آنے کا سکوں   بہتر ہے میری قبر یہیں ہو۔ یہیں مروں
اتنا جگر نہیں ہے کہ صدمے سہوں گی میں
سنگ لحد سے پھوڑ کے سر مر رہوں گی میں

ابو نعیم نشتر (جالندھری)

لمعاتِ مہر

(خورشید علی صاحب مہر بھوپالی)

بے نیازی نیاز ہے اپنا — حسن بے پردہ راز ہے اپنا
دیکھنا انتہائے جذب کر اب — دوست وہ مست ناز ہے اپنا
تودہ تودہ ہے حسرتِ دلِ زار — نقش عبرت طراز ہے اپنا
شامِ غربت کے لیے رہا ہوں مرنے — دوست بے کس نواز ہے اپنا
ان کے دل پر اثر نہیں ورنہ — نالہ آہن گداز ہے اپنا
رات کم اور سرگذشت طویل — ناشنو چارہ ساز ہے اپنا
باریاب حضورِ اذر ہوں — یعنی یہ امتیاز ہے اپنا

کیا سنیں گے وہ داستانِ غم
مہر قصہ دراز ہے اپنا

کرشمۂ حسن

(از جناب عرشی لدھیانوی)

اے فریبِ حسن اندازِ جنوں سکھلا مجھے — اے طلسمِ حسن اپنے شعبدے دکھلا مجھے
اے غرورِ حسنِ جاناں رات دن تڑپا مجھے — ڈھنگ اظہارِ تمنا کا کوئی بتلا مجھے

کس قدر ہے دلکشا اے حسن تیرا گلستاں
واقعی ہے ترے دم سے رونقِ کون و مکاں

صحنِ گلشن میں ہو تو یا وسعتِ صحرا میں ہو — نوکِ خارِ دشت میں ہو یا گلِ رعنا میں ہو
خانۂ درویش میں یا محفلِ کسرا میں ہو — ہو شبِ یلدا میں تو یا صبحِ نور افزا میں ہو

ذرہ ذرہ میں نظر آتی ہے رعنائی تری

ہے نمایاں ہر جگہ شانِ مسیحائی تری

حسنِ لیلیٰ دیدۂ مجنوں سے دیکھا چاہیئے　　کوہکن سے رازِ جوئے شیر پوچھا چاہیئے
داستانِ وامق و عذرا کو سوچا چاہیئے　　"نل" "دمن" کی زندگی سے عشق سیکھا چاہیئے

معترف تری فسونسازی کے خاص و عام ہیں
دلفریبی دلکشی! اے حسن تیرے کام ہیں

کیوں فدائے روئے گل بلبل ہے اتنا تو بتا　　کیوں چکور آخر ضیاءِ مہر کا شیدا ہوا
سرو قمری کی حکایت بھی مجھے سمجھا ذرا　　کس لیئے پروانہ ہے شمعِ فروزاں پر فدا

سب کرشمہ سازیاں ہیں تری اے اعجازِ حسن
اور ہے خلقِ خدا مستِ مے شیرازِ حسن

سر بھلا وہ سر ہی کیا جس میں نہ ہو سودا ترا　　آنکھ وہ کیا آنکھ ہے جس میں نہ ہو جلوہ ترا
دل وہ کیا دل ہے کہ جس دل میں نہ ہو نقشہ ترا　　اور وہ انسان ہی کیا ہے گر نہ ہو شیدا ترا

ہیں ہزاروں قدرتیں روشن شہودِ حسن سے
ظاہر اسرارِ حقیقت ہیں نمودِ حسن سے

اے خیالِ دیدِ روئے حسنِ جاناں دل میں رہ　　اور کبھی جلوہ کناں امید کی محفل میں رہ
آرزو بن کر سراپا سینۂ بسمل میں رہ　　اور لیلائے وفا ہو عشق کے محمل میں رہ

تو فسوں کاری سے اپنے بیخود و دیوانہ کر
اور فکرِ بیش و کم سے سر بسر بیگانہ کر

تخیلاتِ گہر

(از جناب ...... صاحب گہر جائسی)

مزارِ کشتۂ غم ہے بجاے دل نکلنے دے　　بھلا ہو گا ترا بجھتی ہوئی شمعوں کو جلنے دے
ہے میری ناتوانی آئینہ زور جوانی کا　　نظر سے حسن گر جائے اگر مجھکو سنبھلنے دے

بہت محبوب ہوں میں ساتھ ہو لینا جنازے کے
ہجوم نامرادی! اک ذرا دم تو نکلنے دے

اساس گردش گردوں ہے میرے ضعف پر قائم
زمانہ کو پلٹ دوں میں جو یہ کروٹ بدلنے دے

زمانہ ہو گیا اے دل سواد زلف ہجراں میں
یہ تصویر وصالی ہے کف افسوس ملنے دے

ابھی سے دل نہ بیٹھے سامنے ہے آستان اُن کا
مجھے اے ناتوانی اور دو اک گام چلنے دے

مری آہوں سے دل کا داغ رہ رہ کر دہکتا ہے
ہوا کیسی یہ چلتی ہے نہ بجھنے دے نہ جلنے دے

ہے اک طرز ستم یہ بھی پس و پیش اے اجل کیوں ہے
تو اپنا کام کر ان کو کف افسوس ملنے دے

ذرا سے رحم میں بیمار اچھا ہو نہ جائے گا
نہیں تھمتا جو درد دل تو اک لحظہ سنبھلنے دے

چمن میں آگ کیسی ہو نہ ہو میرا نشیمن ہے
قفس میں سن رہا تھا میں کوئی کہتا تھا جلنے دے

کہ صحرا کے ویرانے سے گلشن کی طراوت سے
میں بہلوں لاکھ لیکن دل بھی تو مجھ کو بہلنے دے

جذبات ربط

(سید امانت حسین ربط شاہجہان پور)

بڑھا جوش جنوں ایسا بہار آئی ہی گلشن میں
چلا ہوں پھونکنے صحرا کو لے کر آگ دامن میں

خدا کی شان یہ جذب ادا اس بت کی چتون میں
سمٹ کر حسن عالم آ رہا ہے روئے روشن میں

گلوں کی آتش افروزی سے دل کو جلاتی ہے
کہیں یہ آگ رفتہ رفتہ لگ جائے نہ گلشن میں

اسیری میں بھی رنگ اپنا جمایا آہ سوزاں نے
کہ چھالے پڑ گئے ہیں جا بجا زنجیر آہن میں

ہوئیں جب وسعتیں دشت جنوں کی مجھ کو ناکافی
گریباں پھاڑ کر کچھ سی دیا صحرا کے دامن میں

قفس میں نالہ کرنا آشیاں پر بجلیاں گرنا
اثر اُلٹا یہ کیسا ہے الٰہی اپنے شیون میں

جو دیکھیں دست گلچیں میں کبھی ٹوٹی ہوئی کلیاں
عنادل کے کلیجے آ گئے منہ کو نشیمن میں

طلوع صبح نے کر ہی دیا افشائے راز آخر
نہیں تو اشک شبنم چھپ رہے تھے گل کے دامن میں

رنگے کیوں بیکسوں کے خون میں ہاتھ اپنے اے گلچیں
یہ کلیاں ہیں کہ دل ہائے عنادل تیرے دامن میں

ہوا تھا سامنا چشم خمار آلود ساقی کا — کہ مے خمیازہ بن کر آگئی مینا کی گردن میں

ہوا اسے ربط بعد ذبح جو قسمت میں ہونا تھا
کہ دل ہے دست قاتل میں تو سر ہے دست دشمن میں

افکارِ مہدی

(از جناب سید مہدی صاحب مچھلی شہری)

وحشت بتا رہی ہے دل بے قرار کی — آمد بہت قریب ہے فصل بہار کی
اللہ رے شوق مٹ کے بنا ہوں غبارِ راہ — مرنے پہ بھی ہوس نہ گئی کوئے یار کی
کوئی شہید ناز ہے اس میں ضرور دفن — حسرت بتا رہی ہے چراغ مزار کی
آئی مری قضا تو یہ دل نے کہا کہ آہ — کچھ قدر کی نہ زندگی مستعار کی

پیری میں وہ شباب کی سرمستیاں کہاں
اک کیفیت ضرور ہے مہدی خمار کی

غزل

حال یہ ہے تپ غم سے ترے بیماروں کا — گوشہ دل میں اک انبار ہے انگاروں کا
کوئی سنتا نہیں افسانۂ بیتابیٔ دل — ہو گیا سخت کلیجا مرے غمخواروں کا
دل پریشاں ہے جگر چاک کلیجہ ٹکڑے — ہے برا حال ترے عشق کے بیماروں کا
دیکھ کر آپ کو شرمائے ہوئے ہیں دلہیں — منہ تو دیکھے کوئی یوسف کے خریداروں کا

کس سے ہم شکوۂ بیداد کریں ان کا فروغ
ہو خدا بھی جو طرفدار ستمگاروں کا

(غلام احمد فروغ)

ضمیمہ اشتہارات کیلئے خالی ہے

معیار صداقت

یا

وہرم کسوٹی

(مصنفہ مہاتما مست دہاری جی مہاراج)

چوتھی بار بعد ترمیم وایزادی بڑی آب و تاب سے چھپکر تیار ہوگئی ہے اس کتاب میں فاضل مصنف نے خدا کی عالم گیر صداقت اور روحانیت کے ایسے دلفروز نکات بیان کئے ہیں کہ ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت اسے پڑھکر بہرہ اندوز سعادت ہو سکتا ہے ٹائیٹل نہایت خوشنما تین رنگ میں چھپا ہوا ہے۔ مصنف کا فوٹو بھی شامل کتاب ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ نہایت نفیس ہے ضخامت ۵۰۰ صفحہ۔ قیمت عمر محصول ڈاک ۸/

ملنے کا پتا

منیجر مخزن لاہور

جس کا درد وہی جانتا ہے

دوسرا کیوں کر جان سکتا ہے

یوں تو کوئی بھی ایسا مرض نہیں جسکی تکلیف سے مریض نالاں و پریشان نہ ہو لیکن افسوس بدقسمتی سے دمہ کے مریض خاصکر ناقابل برداشت تکلیف دمہ سے بہت ہی پریشان ہوتے ہیں اور راتدن سانس پھولنے کی وجہ سے دم نکلے جاتے ہیں اور نیند تک حرام ہو جاتی ہے، دیکھئے آج ان کو کسقدر تکلیف ہے لیکن افسوس کہ اس علاج مرض کی بازاری دوا جو زیادہ تر نشیلی اشیا دھتورہ بھنگ بلاڈونا، پوٹاسی آئیوڈائیڈ دیکر بنتی ہے اس سے فائدہ ہونا تو درکنار مریض بے موت مارا جاتا ہے ڈاکٹر ایس کے برمن کی کیمیائی اصول سے بنی ہوئی ہے دمہ کی دوا ایک انمول جوہر ہے، یہ صرف ہماری ہی بات نہیں ہے، بلکہ ہزاروں مریض اس مرض سے شفا پا کر ... آپنے بہت کچھ خرچ کیا ہوگا لیکن اگر تجربۃً ایک بار بھی آزمائیں اس میں نقصان نہیں قیمت ۱؎ فی شیشی محصول ... اس دوا کے دو خاص فوائد ہیں (۱) ایک ہی خوراک میں دمہ دب جاتا ہے (۲) اور کچھ روز ... جڑ سے جاتا رہتا ہے اور جبتک استعمال میں ہے دورہ نہیں ہوتا ہے،

دردسر و ریاحی درد کی دوا۔ ریاحی درد جیسے ٹیک چمک ٹیس کنکن وغیرہ سے چاہے جس قدر تکلیف ہو اس دوا کے استعمال سے فوراً رفع ہوتی ہے درد سر کیواسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہے نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے فوراً جاتا رہتا ہے صرف یہی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو پھٹا جاتا ہو اڑا جاتا ہو، اس دوا سے فوراً آرام ہوتا ہے، قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی ۶؍ محصولڈاک ایک سے چار شیشی تک ۵؍

ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی جلدی بیماری کی دوا یہ تیل کئی ایک مفید ولایتی اور ولایتی ہسپتال کی تجربہ کی ہوئی دوائیوں سے بنایا گیا ہے اس سے ہر اقسام کے جلدی بیماری یعنی چمڑے کے مرض مثلاً خارش کھجلی چھاجن اپرس وغیرہ رفع ہوتے ہیں۔ بعض سے خراب ہوئے چمڑے میں بھی یہ اچھا فائدہ دکھلاتا ہے مگر اس حالت میں تیل لگانے سے پورا فائدہ نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے تیل لگانے کے ساتھ ہی خون صاف کرنے والی دوا اٹیو ٹوانیرڈ سالسہ بھی حسب ہدایت استعمال کرنا چاہئے قیمت فی شیشی ۸؍ محصولڈاک ۱ سے ۴ تک ۵؍ سالسہ قیمت ۱؎ محصول ۶؍

ڈاکٹر ایس کے برمن پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

(پنجابی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند پرنٹر چھپا)